

ماہنامہ

نقوشِ راہ

MARCH 2023

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

کیا آپ نے

رمضان

کی تیاری کر لی ہے؟



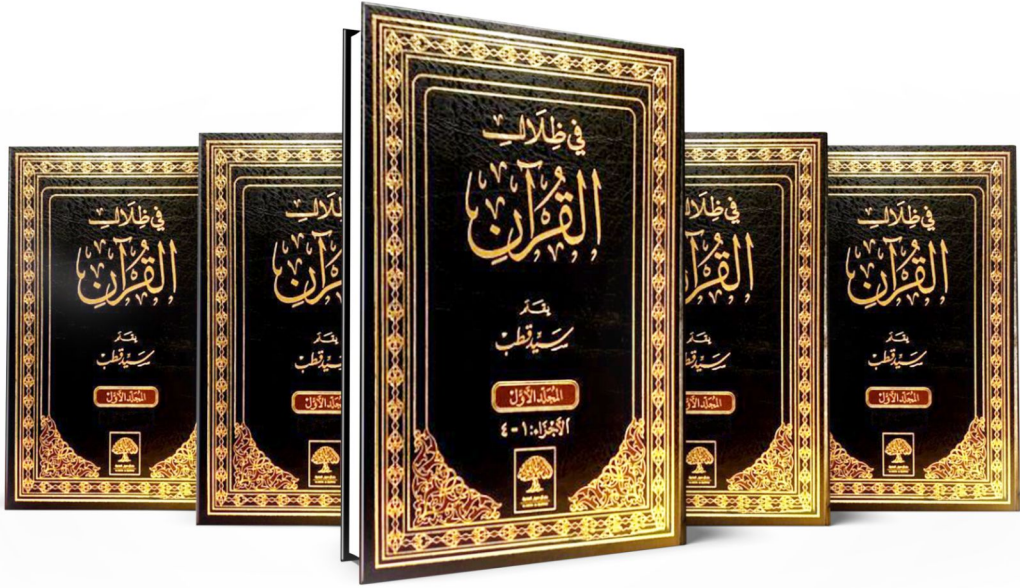
☆ رسول اللہ کا بچپن کی تربیت کا طریقہ

☆ رمضان اور ہمارا رویہ

☆ غربت کا خاتمہ اور زکوٰۃ کا اجتماعی نظم

☆ اسلام کا نظام سمع و طاعت

☆ پاک افغان سرحد پر کشیدگی کا شاخسانہ



فصل القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علی صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحتی ندوی صاحب

اب 11 جلدوں میں شاندار طباعت کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے۔

- شستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر - دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر - وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفہم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پرکشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

9899693655

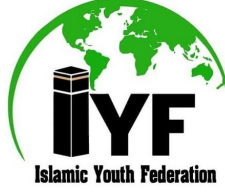
gpddelhi2018@gmail.com

موبائل
ای میل

اپنا آرڈر بک کرائیں

ORDER
NOW

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)



ماہنامہ
نقوشِ راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

جلد: 06 شماره: 03

مارچ 2023ء، رجب المرجب / شعبان المعظم، 1444ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|----|-----------------------------|-----------------------------------------------|
| 04 | معاذ احمد جاوید | اداریہ |
| 05 | عبید الرحمن ابو حذیفہ | درس قرآن |
| 07 | بلال غوری | درس حدیث |
| 09 | رویشہ اے فیضی | رسول اللہ کانجیکوں کی تربیت کا طریقہ |
| 12 | ڈاکٹر فرخ | کیا آپ نے خود کو رمضان کے لیے تیار کر لیا ہے؟ |
| 15 | سفیانہ کمال فلاحی | رمضان اور ہمارا رویہ |
| 17 | اسامہ عظیم فلاحی | غربت کا خاتمہ اور زکوٰۃ کا اجتماعی نظم |
| 23 | قدسیہ نصیر احمد | اسلام کا نظام سمع و طاعت |
| 28 | ڈاکٹر محمد اقبال غیل | پاک افغان سرحد پر کشیدگی کا شائبہ |
| 30 | محمد یوسف اصلاحی | فرض آپ کو پکار رہا ہے! |
| 32 | احمد اسامہ جعفری | کورونا کی تیسری بڑی |
| 34 | ابوالفیض اعظمی | بک ریویو: حقیقت تقویٰ |
| 36 | علیزے نجیف | گوشہ خواتین: انسانی معاشرے میں خواتین.... |
| 39 | غضنفر ایوبی | گوشہ اطفال: نیکی |
| 40 | مرزا اسلم بیگ | بچے اور رمضان المبارک |
| 42 | شیر خالد | اقبالیات: ہسپانیہ |

چیف ایڈیٹر

معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر

اسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت

✽ پرویز نادر

✽ فیض الرحمن

✽ صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر

پرویز نادر



فی شماره: 20/-

سالانہ: 220/-

Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printer at Super Printing Press,
Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Apartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

مارچ 2023ء

3

نقوشِ راہ



صدر جمعیۃ العلماء مولانا ارشد مدنی نے ایک اجلاس عام میں ہندو دھرم گروؤں سے اپنی بات چیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ، ”میں نے ان (دھرم گروؤں) سے کہا کہ جس کو آپ ’اوم‘ کہتے ہیں اسی کو ہم اللہ کہتے ہیں۔“ یعنی یہ کہ اللہ اور اوم ایک ہی ہیں۔ مولانا نے اس بیان میں ہندوستان کے فضائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہندو عوام جس کو ’منو‘ کہتے ہیں اسی کو ہم (یعنی مسلمان) آدم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ہند میں نازل کیا تھا۔ بیان کو پورا سننے سے پتا چلتا ہے کہ مولانا یہ فرما رہے تھے کہ ہم حضرت آدم کے پیروکار ہونے کے نسبت سے دنیا کے سب سے پہلے آدمی اور سب سے قدیم دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ جو لوگ ’گھر واپسی‘ کا نعرہ لگا رہے ہیں ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمان تو اپنے آبا و اجداد کے ہی دین پر ہیں لیکن ان لوگوں نے ہی بنیادیں گڑھ لیا ہے اس لیے ان کو ہی گھر واپسی کرنی پڑے گی۔ غور کیا جائے تو ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے لیے یہ پیغام کوئی نیا اور نو کھاپی پیغام نہیں ہے۔ ملک کے موجودہ حالات میں جمیعت کے پلیٹ فارم سے اس پیغام کا آنا واقعی جرات مندانہ قدم ہوتا اگر بات واضح اور دو ٹوک جملوں میں کہی جاتی لیکن اس پیغام کو پیش کرنے کے لیے جس طرح کے حیلوں کا استعمال کیا گیا اس سے بات بالکل الٹ گئی۔ بعید نہیں کہ مولانا کے بیانہ کے پیچھے کوئی شاذ دلیل مل جائے لیکن موجودہ حالات میں مولانا کی بات ان لوگوں کا سمجھنا پورا کرتی ہوئی نظر آرہی ہے جن کو بظاہر مولانا نے ہدف تنقید بنایا ہے۔

ہمارا ملک بھارت اگنت ریتی رواجوں، دھرموں، پنتوں کا ملک ہے۔ لیکن دنیا میں پائے جانے والے آسمانی مذاہب کی طرح بھارتی دھرموں کے پاس اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کوئی واضح دلیل کسی آسمانی کتاب کی صورت میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بھارتی دھرموں کے لیے سب سے زیادہ مستعمل لفظ ’ہندومت‘ خود ایک منحصر ہے۔ لیکن یہ بھی کوئی متفق علیہ نام نہیں ہے۔ بھارتی تہذیب کے اس کارلس نے بہت ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ کوشش کی ہے کہ وہ ان دھرموں کو کسی ایک نام یا تعارف کے تحت بیان کر سکے لیکن تقریباً ہر کوشش ایک نیا نتیجہ برآمد کرتی نظر آتی ہے۔ بھارتی مذاہب کے متعلق اس حقیقت سے کسی کو کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ بھارتی تاریخ میں پائی جانے والی کتابوں اور آثار میں اتنی متنوع اور متضاد باتیں ہیں کہ ان کو ایک خاکہ کے تحت پیش کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ غالباً اسی لیے یہ کام نامی میں کسی نے کیا بھی نہیں۔ مولانا اپنی تقریر میں بھی اس بات کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ مختلف دھرم گرواں سے معبود کی مختلف انداز سے تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔ مولانا اس کی وجہ بھی بیان کرتے ہیں کہ چونکہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب کا پیمانہ نہیں ہے اس لیے ان کا معاملہ ایسا ہے۔ کسی کو اس بات میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی شخص اپنا مذہب کیا اختیار کرتا ہے اور وہ اپنے مذہب کا کیا نام رکھتا ہے اور اس کی کیا تعریف کرتا ہے۔ لیکن کسی فرد یا گروہ کی جانب سے کی جانے والی تعریف کو ہی ہم اس کے دھرم کی اصل تعریف کہیں گے۔ یہ نہ ہو کہ ہم اس کے منہ میں اپنی بات ڈالنے کی کوشش کریں۔ اس پورے پس منظر میں دیکھیں تو مولانا نے اتنی اہم بات اتنے بودے انداز میں کہی کہ بات کا بٹنگو کوئی بن گیا اور اس کا مقصد فوت ہو گیا۔ مولانا نے اپنی جانب سے لفظ ’اوم‘ کی تشریح کی اور اس کو مسلمانوں کے معبود اللہ وحدہ لا شریک کے مذاق قابل کھرا کر دیا۔ یہی غلطی مولانا نے حضرت آدمؑ اور منو کو ایک بنا کر کیا۔ چنانچہ اس کے بعد لوکیش مہنی نام کے ایک دھرم گرو نے مولانا کو تازا لگا کر اور ان کو سخت سست سنایا۔

بھارتی مذاہب کے برخلاف اسلام کے پاس قرآن مجیدی مستند کتاب موجود ہے۔ قرآن کے مستند ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے حروف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی۔ اور اس کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے کہ ہم اس کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کو محفوظ رکھیں گے۔ چنانچہ بعض محققین نے اس کے پہلے نسخہ، جو خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے جمع کردہ نسخے سے نقل کروایا تھا، سے مختلف ادوار کے نسخوں کا موازنہ کر کے دیکھا اور پایا کہ ایک ایک حرف محفوظ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خدائی انتظام کے تحت محفوظ کلام ہے۔ قرآن چودہ سو سال سے ناقدین کی تنقیدوں کا ہدف رہا ہے لیکن کوئی بھی اس میں ادنیٰ تضاد نہ نکال سکا۔ قرآن کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ فلسفیانہ موشگافیوں سے پاک ہے اور اپنا مدعا قارئین پر دود و چار کی طرح واضح کرتا ہے۔ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق بہت واضح باتیں بیان کی ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ تمام انبیاء ایک ہی دین اور ایک ہی دعوت توحید کے ساتھ مبعوث کیے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کو کسی ایسے لفظ کی طرف منسوب کرنا جس کی کوئی واضح اور متفق تعریف و تشریح موجود نہ ہو مناسب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح سے وہ مدعو کے دل میں بات آسانی سے ڈال سکتا ہے تو یہ اس کا مغالطہ ہے۔ دعوت اسلامی کے لیے اگر واضح الفاظ کا استعمال نہ کیا گیا تو اس کا اندیشہ موجود ہے کہ آپ اسلام کے بجائے کسی اور چیز کی دعوت دے بیٹھیں۔ چنانچہ اسی گفتگو میں مولانا نے یہ فرمایا کہ بعض لوگوں کے نزدیک ’اوم‘ ہوا ہے۔ اس بات کو جاننے کے بعد تو اس لفظ کا اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا انتہائی گمراہی کی بات ہے۔ اس طرح کی بھونڈی دلیلوں کے نتیجے میں مولانا نے اپنی بات کو کھوٹی کر لیا۔ ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ دعوت کا یہ نہج نبوی طریقہ سے بالکل منحرف ہے۔ نبوی طریقہ میں داعی کو مدعو سے اپنا ایک تعلق قائم کرنے کی بات تو ملتی ہے لیکن اس کے سامنے دین کی کوئی ایسی تشریح و تعبیر کر دینا مناسب نہیں ہے جو اصل تعریف سے ہٹی ہوئی ہو۔ لیکن افسوس کہ دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ ساتھ خود ہمارے ملک میں انٹرفیٹھ ڈالنا لگ کے نام پر دعوت اسلامی کے ساتھ یہی کھواڑ کیا جا رہا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ حق و باطل غلط ملط ہوئے جا رہے ہیں۔ حق کے لیے یہ بات انتہائی مہلک ہے کہ اس کو باطل کے برابر یا اس جیسا بنا کر پیش کیا جائے۔ نتیجتاً مولانا کی اس تقریر سے گنڈھ کی لابی کو ہی تقویت ملی۔ کیونکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی کوئی ایسی بودی تعبیر کی جائے جو ان کے لیے قابل قبول ہو۔ اسلام مخالف طاقتوں کا معاملہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ تمام مذاہب کی طرح اسلام کو بھی مسخ کرنا چاہتے ہیں۔ امید ہے مولانا اور ان کا دفاع کرنے والے اس بات کو نیک نیتی سے قبول کریں گے اور اپنی غلطی کی اصلاح کریں گے۔

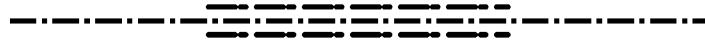
(معاذ احمد جاوید)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لَيَتَزَوَّلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۚ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ (ابراہیم: ۴۷-۴۸)

ترجمہ: انہوں نے اپنی ساری چالیں چلیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی ہر ایک چال کا جواب تھا حالانکہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ اس سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔

پس اے نبی! تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ اللہ کبھی اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدے کے خلاف کرے گا۔ اللہ زبردست ہے اور انتقام لینے والا ہے۔



اس آیت سے پہلے والی آیات میں خدا کا انکار کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خدا باخبر ہے اور تم یہ نہ سمجھو کہ خدا تم سے خوش ہے بلکہ جو کچھ تم اپنی من مانی کر رہے ہو اور رسول کو جھٹلا رہے ہو اس چیز سے خدا تم کو ضرور پکڑے گا اور اس وقت تمہارا حال یہ ہوگا کہ تم اللہ سے مدد طلب کر رہے ہو گے کہ اللہ ہم کو مہلت دے دے تاکہ ہم دنیا میں جا کے اچھے کام کریں اور تجھ کو راضی کر لیں، لیکن اس وقت حسرت کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا جو مواقع ابھی حاصل ہیں اس کو ہی غنیمت جانتے ہوئے خدا کو راضی کر لو۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کے گھر تمہارے علاقوں میں

ویران پڑے ہیں؟ انھوں نے بھی رب کو جھٹلایا اور اس کے رسول کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں اختیار کیں اس کی پاداش میں ہم ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ

کفار و مشرکین کی ہمیشہ کی عادت رہی ہے کہ وہ اسلام کو بدنام کرنے، رسول اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کی ہمیشہ چال چلتے رہے ہیں۔ اللہ کے رسول کے زمانے میں بھی انھوں نے زبردست قسم کی چالیں چلیں اور رسول پر طرح طرح کے بہتان لگائے اور بدنام کرنے کی کوشش کی۔

اس دور میں بھی جو ہم ان کے طرح طرح

ہتھکنڈے دیکھتے ہیں جس سے وہ مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ ہم کو بدنام کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔

قرآن نے ان کی تدبیر کو بہت زبردست بتایا ہے۔ ایسی تدبیر جس سے پہاڑ تک ٹل جائیں، مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے زبردست قسم کی تدبیر استعمال کرتے ہیں جس سے ایسا لگے کہ ہاں واقعی مسلم ملک و ملت کے لیے خطرناک ہیں۔ اس کی ایک مثال آپ ۱۱/۱۹ اور ہمارے ملک ہندوستان میں جو صورت حال برپا ہے اس سے لے سکتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب ہمارے

خلافت زبردست قسم کی تدبیریں استعمال کی جارہی ہیں تو اس نازک حالت میں ہم کیا کر رہے ہیں۔ قرآن نے جو لفظ استعمال کیا ہے ”وَإِنْ كَانَ مَكْرَهُمْ لِيَتَزَوَّلَ مِنْهُ الْجَبَالُ“ اس لفظ کا ترجمہ کرنے سے دنیا کی زبانیں قاصر ہیں۔ بس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زبردست تدبیریں انھوں نے جلیں تھیں مگر ایک عربی جاننے والا اس آیت کی روح کو سمجھ اور محسوس کر سکتا ہے کہ وہ تدبیریں کتنی زبردست تھیں۔ ایک طرف دشمنان اسلام ہمارے خلاف ہر طرح کی تدبیریں کرنے، اسلام کو ماننے والوں کو مٹانے کی کوشش میں اپنا سب کچھ لٹا رہے ہیں دوسری طرف ہم کو بھی اپنے حال کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں۔ اللہ کی مدد صحابہ کرام اور اللہ پر سچا اور پختہ ایمان لانے والوں پر آئی تھی جس کی وجہ سے دشمنان

اسلام کی چالیں کچھ کام نہ آسکیں۔ ہماری جو صورتحال ہے اس میں اللہ کی مدد بالکل بھی نہیں آسکتی جب تک ہم رب کی طرف پلٹ کر نہ جائیں۔ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہم اپنی صورت حال کو تبدیل ہی نہ کریں، اسلام کے احکام سے وحشت پیدا ہوتی ہو اور جمعہ کی نماز کے بعد خوب چلا چلا کر دعا مانگی جائے اور ہم آمین پر آمین کہتے جائیں تو یہ بکواس اور وقت کے بربادی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس طرح کی نوٹنی اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور نہ ہی ایسے کوئی مدد آسکتی ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا..... اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے جو کامیابی اور کامرانی کا وعدہ کیا ہے وہ یقیناً پورا کرے گا اور ان کو ان کی نیکیوں پر طرح طرح کے اجر و انعامات سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ

اپنے وعدے سے مکر نے والا نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اللہ نے جو رسول اور نیک بندوں سے مدد اور نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ یقیناً آ کر رہے گی۔ اللہ اپنے نیک بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا بس شرط یہ ہے کہ وہ اس کے لیے خالص ہوں۔ اور رہے دوسری طرف کے لوگ نہ تو ان کے لیے کوئی مدد آئے گی اور نہ ہی ان کو اجر و انعامات سے نوازاجائے گا بلکہ اللہ ان سے ان کی بد اعمالیوں کا بدلہ لے گا۔ اس وقت وہ پکاریں گے کہ اللہ ہم کو مہلت دے دے مگر اس وقت نہ کسی کو مہلت دی جائے گی اور نہ ہی کوئی کسی کے کام آسکے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ دشمنان اسلام کی چالوں سے انھیں لوگوں کو محفوظ رکھتا ہے جو اللہ پر سچا یقین رکھتے ہوں اور اس کے ہر احکامات کو خوشی خوشی مانتے ہوں۔

●●●

یہود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیانت کرنے سے چوتھے نہ تھے، مدینہ میں آپ کے ساتھ ان کی اقامت، بلکہ جزیرہ نمائے عرب میں ان کی اقامت کی پوری مدت میں ان کی یہی روش رہی۔ یہی نہیں، پوری تاریخ میں مسلم سماج کے ساتھ ان کا یہی رویہ رہا۔ حالانکہ مسلم سماج وہ واحد سماج تھا، جس نے انہیں پناہ دی، ان پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کو روکا، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور انہیں بہتر اور خوشگوار زندگی کے مواقع عطا کیے، لیکن وہ رسول اللہ کے زمانے کی طرح ہمیشہ کچھو، سانپ، لومڑی اور بھیڑیے بنے رہے اور چھپ چھپ کر مکر و خیانت کرتے رہے اور مکاری اور عہد شکنی کی، ان کی یہ روش مسلسل قائم رہی۔ اگر وہ مسلمانوں کو ظاہری نقصان پہنچانے پر قادر نہ ہو سکتے تو انھوں نے ان کے لیے جال بچھائے، مین گاہیں تیار کیں اور ہر دشمن کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں، پھر جب بھی انہیں موقع ملا، انہوں نے مسلمانوں سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور سخت دل اور جفا کار ہو کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس وقت وہ مسلمانوں پر ذرا بھی رحم نہ کرتے اور ان کے سلسلے میں کسی معاہدے اور کسی ذمہ داری کا پاس و لحاظ نہ کرتے، ان کی اکثریت کا یہی حال ہے۔

(فی ظلال القرآن۔ سید قطب شہید)

●●●

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ماہر قرآن کا مرتبہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَةِ
وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) ماہر قرآن فرمانبردار، بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو رسولوں کو اللہ کے پیغامات پہنچانے پر مامور تھے اور جو شخص قرآن کو الٹا الٹا کر بڑی مشقت سے پڑھے اس کو دو ہر اجر ملے گا۔ (مسلم)

قرآن اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے جسے اللہ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر رمضان المبارک کے مہینے میں نازل کیا۔

”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ“

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔“ (البقرہ: ۱۸۵)

اور جس رات میں اس کو نازل کیا گیا،

اللہ تعالیٰ نے اس رات کو بھی کئی مہینوں سے زیادہ افضل بنا دیا جس کو آج ہم شبِ قدر کے نام سے جانتے ہیں، جس کے تعلق سے قرآن نے واضح کر دیا کہ:

”یہ رات ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے۔“ (القدر: ۳)

اس کتاب پر ایمان لانا، اس کا علم حاصل کرنا، اس کے مطابق عمل کرنا اور اس کے احکام و ہدایات جو نبی کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں اسے دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ماہر قرآن کا ذکر کیا ہے اور اس شخص کا بھی ذکر کیا ہے جو قرآن کا ماہر تو نہ ہو بلکہ قرآن کو الٹا الٹا کر پڑھتا ہو۔ نبی نے ان دونوں افراد کو قیامت کے دن جو اجر ملنے والا ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماہر بالقرآن کو فرمانبردار، بزرگ فرشتوں کے ساتھ رکھے گا جو رسولوں کو اللہ کے پیغامات پہنچانے پر مامور تھے۔

ماہر بالقرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن مجید کو اس طرح پڑھتا ہو جس طرح اس کا حق ہے۔ بلا تکلف، بلکل ادب اور صحت کے ساتھ بہترین آواز میں اس طرح جس طرح آپ نے فرمایا ہے۔ قرآن کو اپنی آواز سے زینت بخشو اور اس طرح، جس طرح قرآن میں اس کی تلاوت کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

”وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا“

”اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔“ (المزمل: ۴)

اس سے مراد وہ شخص بھی ہے جس کو اللہ نے بہترین درجہ کا حافظہ عطا کیا ہو اور اس نے اللہ کی عطا کردہ اپنی اس صلاحیت سے قرآن کو حفظ کیا ہو۔ اس سے وہ شخص بھی مراد ہے جو قرآن کا علم رکھتا ہو، اس میں غور و تدبر کرتا ہو اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہو اور اس کے مطابق عمل بھی کرتا ہو کیوں کہ جو قرآن کا علم حاصل کرے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے، اپنی زندگی میں اللہ کے احکام کو چھوڑ کر دوسروں کے بنائے ہوئے قانون کی پیروی کرے تو گویا وہ اللہ کے احکام کے ساتھ تسخّر کر رہا ہے اسی لئے قرآن کے علم کے مطابق عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ غائی اپنی فطرت میں نہ ناری ہے جب بندہ قرآن کے علم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کرتا ہے تو اللہ کل قیامت کے دن اسے ایک بہت بڑا اعزاز عطا کرے گا جو کہ اس کے والدین کو نصیب ہوگا جس کا ذکر آپ ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں اس طرح کیا: ”جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا، قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائیگا جس کی روشنی اس سورج کی روشنی سے زیادہ ہوگی جو تمہارے دنیا کے گھر میں ہے۔“ (ابوداؤد)

کوئی بندہ اس طرح جب قرآن کا ماہر بنے گا تب اللہ کل قیامت کے دن اسے اپنے معززین اور مقربین بزرگ فرشتوں کے ساتھ رکھے گا اور یہ بہت بلند مقام ہے۔

قرآن کو الٹ الٹ کر پڑھنے والا:

دوسرے جس شخص کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ قرآن کو الٹ الٹ کر پڑھنے والا ہے۔ اس کے تعلق سے رسولؐ نے فرمایا کہ: اسے قرآن کو پڑھنے پر دو ہراجر ملے گا۔ قرآن کو پڑھنے کا اجر بتاتے ہوئے رسول ﷺ نے فرمایا:

قرآن کے ہر حرف پر بندے کو دس نیکیاں ملتی ہیں مثلاً (ال م) تین حروف ہیں، ان کی تلاوت پر اللہ تعالیٰ بندے کو تیس نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ لیکن جس شخص کی زبان میں لکنت ہو یا جو قرآن کو سیکھنے کے پہلے مرحلے میں ہی ہو، جس کی وجہ سے وہ آسانی سے قرآن کو نہ پڑھ سکتا ہو، جس کو قرآن پڑھنے میں بڑی مشقت کرنی پڑتی ہو تو ایسے بندے کو اللہ دو ہراجر عطا فرمائے گا۔

ایک اس وجہ سے کہ وہ زبان میں لکنت ہونے کے باوجود قرآن پڑھ رہا ہے یا قرآن کو اچھی طرح پڑھنا سیکھ رہا ہے، دوسرا اس وجہ سے کہ اسے قرآن پڑھنے میں جو مشقت پیش آرہی ہے وہ اسے برداشت کر رہا ہے لیکن جو زبان میں لکنت نہ رہنے کے باوجود بھی الٹ الٹ کر قرآن کو پڑھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ قرآن کو روانی کے ساتھ پڑھنا سیکھے اور جلد از جلد اچھی طرح پڑھنے کی کوشش کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اچھی طرح قرآن کو پڑھنے کے لئے بہترین زبان بھی عطا کی ہے۔ اب اگر وہ قرآن کو اچھی طرح پڑھنا نہ سیکھے اور اپنی لاپرواہی کی وجہ سے زندگی بھر قرآن کو الٹ الٹ کر ہی پڑھے تو وہ اس چیز کا مستحق نہیں ہو سکتا کہ اللہ اسے دو ہراجر

عطا کرے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کو صحیح طریقے سے اور سمجھ کر پڑھنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

...

(بقیہ صفحہ ۱۱۱)

امت کو اس وقت جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، ”وہ ہے خواتین کی دین پر استقامت۔“ کیونکہ ایک عورت کی استقامت منافقوں پر ہزار مردوں کی استقامت سے زیادہ سخت ہے اور ایک عورت کی لغزش (غلطی) ہزار مردوں کی استقامت میں رکاوٹ نہیں بنتی...!!! اپنے آپ کو حقیر نہ جانیں، اور جان لیں کہ آپ کے پاس طاقتور رول ماڈلز ہیں جن پر فخر کیا جانا چاہیے نیز سب سے بڑھ کر نبی ﷺ کی شخصیت ہے جو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اللہ ہم سب کو نبی کے بتائے گئے راستے پر چلنے کی توفیق دے اور اپنے دین کی سرفرازی کی توفیق بخش دے۔ عورت کی شان اسکی پاکیزہ اور سلجھی سوچ، نیچی نظر، شائستہ زبان، خوش اخلاقی، اور اپنے جسم کو مناسب لباس میں محفوظ رکھنا ہے۔ اے رب العزت ہم پر ان احکام کی پابندی کرنے والا بنا۔ دعائیں پرانی ہیں مگر یادیں نئی۔ الہی میرا مرنا اور جینا تیری خاطر ہو۔ توفیق دے کہ اپنے قدم، قلم اور علم سے تیرے دین کے لئے کام آسکوں۔ آمین، یا رب العالمین۔

...

رسول اللہ ﷺ کا بچپن کی تربیت کا طریقہ

دریشہ اے فیضی

بلاشبہ ہمارے نبی کا اسم مبارک وہ لفظ ہے جو انسانیت سے لبریز احساس و جذبات کا، اخوت و مساوات کا، ایثار و قربانی کا، انسانوں کو انسانوں سے ملانے، نفرتوں، عداوتوں اور کدورتوں کو ختم کرنے اور محبت و شفقت و الفت کا درس دیتی اس وسیع کائنات کی ہر ہر کتاب کی ہر ہر سطر میں سر فہرست ہے۔

کیسے اس نبی کی امتی ہونے پر فخر نہ کروں جس نے بے شمار قربانیاں اور جد جہد کی، اللہ رب العزت کا پیغام ہم تک پہنچانے کے لئے ہر طرح کا قلم سہا، گمراہ لوگوں نے ان سے ان کا سب کچھ چھین لیا مگر پھر بھی اللہ کے آخری نبی اور رسول، انبیاء کرام کے امام نے راہ حق کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں جان و مال کی کوئی پرواہ کئے بغیر اپنے جان نثار ساتھیوں کے ساتھ اس مشن کو کبھی پتھر کھا کر، کبھی شکم پہ پتھر باندھ کر، کبھی پتھر پٹی گھائیوں میں محصور ہو کر اس دین کی تبلیغ کی۔ اور الحمد للہ وہ دین اور اس کا پیغام سارے عالم میں خوشبو بن کر محبت و مودت کی، الفتوں اور

چاہتوں کی، صداقت و امانت، شرافت اور اطاعت، امن و اماں اور سکون و چین اپنے اور دوسروں کے لیے خیر چاہنے والے ہر ہر معاشرے کی فضاؤں میں ملتا ہے۔ نبی کی زندگی سارے جہاں کے لیے راہ ہدایت ہے۔ قرآن تمام عالم کا نصاب زندگی اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے معلم۔ قربان جاؤں اس معلم پر جس کی زندگی کا ہر پہلو مومنین کے لئے راہ حیات کے قفل کی کچی اور ان کے نقش قدم کی پیروی سے زندگی کا ہر باب آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت اقدس، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی اصلاح کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا تاکہ صدیوں سے جگہ سے ہوؤں کو اعلیٰ اخلاق سکھائے جائیں اور خالق اور مخلوق میں جو دوری پیدا ہو گئی ہے اس کو دور کیا جائے۔ آپ نے سکھایا کہ اپنے رب کا اور اپنے خالق و مالک کا پیار کیسے حاصل کرنا ہے اور اس کی مخلوق کے حقوق کیسے ادا کرنے ہیں۔ جب آپ نے اپنے اس مشن کا آغاز کیا تو

مرد و عورت کا فرق دیکھے بغیر تعلیم اور تربیت دونوں کو دی۔ دنیا کے دوسرے مذاہب نے علم کو مردوں کی میراث بنا کر پیش کیا، کیوں کہ ان کی نظر میں عورت ان سب فضیلت اور کمال کی مستحق نہیں۔ مگر اسلام نے علم کی روشنی کو مرد و عورت ہر دو کے قلب و ذہن تک پہنچایا اور حصول علم میں مرد و عورت کی تخصیص کو تسلیم نہیں کیا بلکہ مرد و عورت دونوں پر علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم۔
(مشکوٰۃ، کتاب العلم)
”علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔“

اور دین اسلام نے دونوں کو ان کا مقام عطا کیا۔ عرب کے اس جہالت کے دور میں جب یہ صدا گوئی تو جن بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، انہیں اسلام کے سائے میں آکر تعمیر انسانیت کا بنیادی پتھر تسلیم کیا گیا، ان کو تمام بنیادی حقوق ملے جو انسانی زندگی کے لئے لازم ہیں اور انکو ہر

طرح کی سہولت فراہم کی گئی۔ دین اسلام میں آکر وہ خود کو محفوظ اور معزز سمجھنے لگیں، ان کی سماجی اور معاشی حیثیت ابتر سے بہتر اور پھر بہترین ہو گئی۔ اس بارے میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں:

”خدا کی قسم ہم ایام جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کے بارے میں اپنے احکام نازل کیے اور ان کے لیے وہ حصہ مقرر کیا جو کچھ مقرر کرنا تھا۔“ (مسلم، کتاب الطلاق)

دنیا کے سارے مذاہب کا زور عبادت، ریاضت، مشقت اور اوراد و وظائف پر ہے، مگر تعلیمات نبوی کی خصوصیت یہ ہے کہ ان سب کے مقابلے میں علم کی فضیلت اور اہمیت کو محسوس کرایا گیا۔ آل حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

”عبادت گزار پر عالم کی فضیلت دوسرے ستاروں پر چودھویں کے چاند جیسی ہے۔“

(ابوداؤد، ترمذی)

جب اسلام کی تبلیغ شروع ہوئی تو بہت سارے دلوں کو رب کے پیغام نے نرم کر دیا۔ وہ نبی محترم کے پاس کلمہ پڑھنے آتے تو اللہ کے فرمان کے مطابق ان سے بیعت لی جاتی تھی۔ اسلام پر قائم اور اللہ کے فرمان کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے رسول اللہ مرد و عورت دونوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔ عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لیا کرتے تھے وہ قرآن میں اس طرح مذکور ہے:

”اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد

کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے سامنے کوئی بہتان گڑھ کر نہ لائیں گی اور معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ بے شک اللہ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“ (الممتحنہ)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اسی آیت کی تفصیل کے مطابق عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔ (بخاری)

اسلام نے جہاں مرد و زن کے درمیان دیگر دنیاوی امور میں عدل و مساوات کا حکم دیا وہیں سرپرستوں کو بالخصوص یہ ترغیب دلائی کہ وہ خواتین کو اسلامی تہذیب سے آراستہ و پیراستہ کریں اور اس عظیم خدمت پر اجر عظیم کا وعدہ بھی کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضور اقدس نے فرمایا:

”جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یادو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ان کے ساتھ احسان و سلوک کا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اسکو جنت میں داخل فرمائے گا۔“

اس معنی کی اور بھی روایتیں ترمذی، مسند احمد اور حدیث کی دیگر کتب میں وارد ہوئی ہیں، جس سے خواتین کی دینی تربیت اور ان کی اسلامی تشقیق کی فضیلت و اہمیت عیاں ہوتی ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

”دنیا ساری کی ساری سامان ہے؛ لیکن ساری دنیا میں سب سے بہترین قیمتی چیز نیک اور صالح عورت ہے۔“ (سنن نسائی: 3234)

جب بچیوں کی سماجی اور انفرادی حیثیت بدلی تو ان کی تعلیم اور تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا گیا۔ اللہ کے رسول نے اس سلسلہ میں اپنے گھر سے آغاز کیا۔ ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ کو سارے آداب زندگی سکھاتے اور زندگی کے ہر میدان میں حکمت عملی سے کام لینے کو بتاتے پھر آپ دوسری عورتوں کو بتاتے۔ ہجرت کے بعد نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں نمازوں کے بعد تعلیم و تحقیق کرتے تو اس میں مرد و عورت سبھی شریک ہوتے تھے۔ جمعہ، عیدین اور حج کے خطبات کے ذریعے عمومی تعلیم و تہذیب کا کام ہوتا جس میں سبھی شریک ہوتے تھے۔ جہاں مسجد نبوی اور اصحاب صفہ کا چبوترہ مردوں کیلئے درسگاہ تھا تو نبی کا گھر عورتوں کیلئے درسگاہ تھی۔

جب نبی ﷺ اسلام کی تعلیمات یا وحی سناتے تو مرد و حضرات دونوں ہی نقل کرتے، کبھی مرتبہ عورتیں سبقت لے جاتیں۔ اس میں سرے فہرست عائشہ صدیقہ ہیں، وہ ہر حدیث فوراً یاد کر لیتی تھیں۔ ان سے لگ بھگ پانچ ہزار صحیح احادیث منقول ہیں۔ جب بھی کوئی نئی آیت ہوتی یا نیا حکم نازل ہوتا تو وہ سب یاد کر لیتے، اتنا ہی نہیں اطباء عرب آیا کرتے تھے، وہ جو کچھ بتاتے تھے وہ یاد کر لیتی تھیں۔ اسلام کے اس ابتدائی عہد میں ام المؤمنین عائشہ کے علاوہ دیگر صحابیات بھی علم طب میں ید طولی کھتی تھیں جن میں رفیدہ السلمیہ، ام سلیم، ام سنان، آمنہ بنت قیس الغفاریہ،

کعبیہ بنت سعد السلمیہ، شفاء بنت عبد اللہ اور ام عطیہ وغیرہ کے نام محدثین نے بیان کئے ہیں۔

مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابیہ حضرت شفاء بنت عبد اللہ عدویہ کو جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اس بات پر مامور فرمایا تھا کہ وہ حضرت حفصہؓ کو لکھنا پڑھنا سکھائیں اور زہر لے کھڑے مکڑوں کے کاٹنے کا دم بھی بتائیں، چنانچہ حضرت حفصہؓ نے بہت جلد پڑھنے کے ساتھ لکھنا بھی سیکھ لیا۔

صنعت و حرفت میں سیدہ زینب کا کوئی ثانی نہیں تھا، آپ گھر میں صنعت اور حرفت کرتی تھیں اور نبی پر نور بہت خوش ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی سیکھنے کو کہتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ تو تمام امت کی بیٹی کھیلنے ایک مثال ہیں۔ پیارے نبی نے انکی تربیت رب کے حکم سے کی۔ انکا کردار تمام امت کے لیے ایک چراغ ہے۔ ان کے بارے میں عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

میں نے نبی ﷺ کی عادات و اطوار، آپ کے اٹھنے بیٹھنے کی پروقاہ کیفیت اور سیرت میں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا۔ جب وہ نبی ﷺ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے پھر ان کا بوسہ لے کر اپنی جگہ بٹھاتے تھے اور جب نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آپ کا بوسہ لیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتی تھیں۔ (سنن الترمذی: 3872 و سند حسن، وقال الترمذی: هذا حديث حسن غریب)

آپ ﷺ نے عورت کو اسلام کی حدود میں رہ کر معشیت میں بھی تعاون کرنے پر ساتھ دیا۔

حضرت خدیجہ جو کی خود ایک تاجر تھیں، نبی ﷺ نے ہمیشہ ان کا کاروبار میں ساتھ دیا۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد جب اسلام کی تبلیغ آزادی سے ہونے لگی تو مدینہ کی عورتوں کو بھی علم سیکھنے کا شوق ہوا۔ بعض اوقات وہ مواقع نہ ملنے کی آنحضرت ﷺ سے شکایت بھی کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! یہ مرد حضرات تو ہم سے آگے بڑھ گئے، آپ ہمیں بھی اپنی طرف سے ایک دن متعین کر دیں تاکہ ہم آپ سے علم دین حاصل کریں۔“ انکے اصرار پر آپ نے وعدہ فرمایا اور آپ کا یہ معمول ٹھہرا کہ ایک دن ان سے ملاقات کرتے، ان کو تعلیم دیتے، نصیحت کرتے اور احکام سناتے اور وہ کوہ استقامت عظیم عورتوں نے ایسی تربیت کی کہ انکی اولادوں نے مدینہ سے نکل کر مصر، روم، دمشق، اندلس وغیرہ میں اسلام کا پرچم لہرایا۔

یہ ان ماؤں کے گود کا اثر ہے، جو کبھی غناء ہے تو کبھی امارہ، جنہوں نے ہر ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو کر لڑا اور ہر موقع پر خدا کا نام بلند کیا۔ یہ خواتین علم کا گہوارہ تھیں۔ جنگ میں بھی مرد کے ساتھ جاتی تھیں تاکہ وہ حکمت عملی سیکھ سکیں۔ میدان جنگ میں عورتوں نے بھی کئی اہم کارنامے انجام دیے اور دلیری کا ثبوت دیا۔ آپ نے عورتوں کے لئے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ دینی مسائل سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلیں اور ان افراد کو زجر و توبخ کرتے جو اپنی عورتوں کو مساجد سے روکتے تھے۔

آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ: ”اللہ کی بندنیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو۔“

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی معرکہ الآراء تصنیف احیاء علوم الدین میں اس حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ عورتوں کا مساجد کی طرف جانا محض ادائیگی نماز کیلئے نہیں ہے، بلکہ نماز کے ساتھ حصول علم بھی اسکا اہم مقصد ہے اور جب شوہر اس لائق نہ ہو کہ وہ بیوی کو دینی امور سے واقف کرائے تو عورت کیلئے گھر سے نکلنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے اور شوہر اگر اس راہ میں رکاوٹ بنے تو وہ جوابدہ ہو گا یوم حساب میں۔ آپ عورتوں کی تقویٰ اور پدہیزگاری کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کرتے تھے نیز انہیں سوالات پوچھنے کی ہر طرح سے آزادی تھی۔ انکے سوالات پوچھنے پر خوش ہوتے تھے اور اس کام میں انصار کی عورتیں سب سے اول تھیں۔ وہ دینی تعلیم سیکھنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھیں اور دین کیلئے اپنی جان مال اور اولاد قربان کرنے کے لئے تیار رہتی تھیں۔ ایک بار صد آتی اور یہ دین کی علمبردار خواتین لبیک لبیک کہتیں۔ ایک دفعہ عید الفطر کے موقع پر جبکہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، آپ ﷺ خواتین کی صفوں کے قریب تشریف لائے اور انہیں خوب وعظ و نصیحت کی اور صدقہ پراس قدر ابھارا کہ عورتیں سونے اور چاندی کی انگوٹھیاں اور کڑے نکال کر صدقہ کرنے لگیں۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی تعلیم اور تربیت کا طریقہ نیچوں کے لیے کتنا خالص اور خاص تھا اور اسکا اثر آج بھی تاریخ کے سنہرے اوراق میں روشن ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

کیا آپ نے خود کو رمضان کیلئے تیار کر لیا ہے؟

ڈاکٹر فرخ

جب بھی ہمارے گھر کوئی تقریب ہوتی ہے یا پھر کسی مہمان کی آمد ہوتی ہے تو ہم اس کے لئے بہت پر جوش ہوتے ہیں اور ہفتوں پہلے اسکی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں تاکہ کسی بات کی کوئی کمی نہ جائے اور بعد میں ہمیں اسکا ملال ہو۔ کیا اس طرح اور اسی طرز کی تیاریاں ہم رمضان کی آمد سے قبل گھر کے ماحول کو تبدیل کرنے، گھر کا نظام درست کرنے، عبادتوں کیلئے گھر میں جگہ مخصوص کرنے، یا پھر خود میں بدلاؤ لانے اور خود کو خدا کی نظر میں بہتر کرنے کیلئے کرتے ہیں؟

ہم اپنی اس دنیاوی زندگی کیلئے، لوگوں کو خوش کرنے اور سماج میں اپنا مقام واضح کروانے کیلئے خوب خرچ بھی کرتے ہیں اور اپنا قیمتی وقت بھی لگاتے ہیں لیکن کیا ہم اپنی آخرت کی زندگی کیلئے، جہنم سے آزادی اور جنت کا پروانہ پانے کیلئے اتنا سب کرتے ہیں؟ کیا ہمیں یہ یاد نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر سال رمضان جیسی عظیم نعمت عطا کرتا ہے تاکہ ہم پھر اس کی طرف

پلٹ آئیں؟ رمضان کا مہینہ ہمارے لئے ٹریننگ کا ہوتا ہے تاکہ ہم آئندہ گیارہ مہینے اسی طرز پر زندگی گزاریں، اللہ کے بتائے احکامات پر عمل کریں، خدا کی عبادت کریں، خود کو خدا کا نیک بندہ بنانے کی تگ و دو کریں اور بھرپور کوشش کریں، گناہوں سے خود کو دور رکھیں تاکہ پھر اسی طرح رمضان نہ ہونے کے بعد بھی ہم سال کے گیارہ مہینے اللہ کی عبادت کا حق ادا کریں اور اس کے نیک بندے بن کر زندگی گزاریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔ (البقرہ: 185)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ رمضان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ جس ہدایت کا دار و مدار انسانیت سے وابستہ ہے اور جو انسانوں کی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے اس ہدایت کو یعنی کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کے ذریعے رمضان جیسے مقدس مہینے میں نازل کیا۔ جس طرح سے قرآن انسانوں کو واضح تعلیمات دیتا ہے، راہِ راست دکھاتا ہے اور انکے سامنے حق و باطل کے فرق کو واضح کرتا ہے اسی طرح رمضان جیسا مہینہ بھی انسانوں کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لانے اور بندوں کی غلامی سے نکال کر خدا کے احکام کو سمجھنے اور خدا کی غلامی کو قبول کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ بشرط یہ کہ انسان قرآن پر غور و فکر کرے، اس کے لئے خدا کی طرف سے نازل شدہ تعلیمات کو تسلیم کرے اور خدا کی اطاعت کو قبول کرے۔ مولانا مودودی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”قرآن ہم کو اس لئے عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ جان کر خود اس پر چلیں اور دنیا کو اس پر چلائیں، اس مقصد کے لئے ہم کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔ لہذا نزول قرآن کے مہینے میں ہماری روزہ داری صرف

عبادت ہی نہیں ہے اور صرف اخلاقی تربیت بھی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ خود اس نعمت قرآن کی بھی صحیح اور موزوں شکرگزاری ہے۔“

رمضان کی تیاریاں اور اسوۂ رسول اللہ:

جب ہم سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بہت سی احادیث پڑھنے کو ملتی ہیں جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رجب اور شعبان سے ہی رمضان کی تیاریاں شروع کر دیتے تھے اور آپ اللہ سے دعا بھی کیا کرتے تھے کہ:

”اے اللہ ہمیں رمضان عطا کر۔“

رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ رمضان کے آنے سے قبل ہی اس کی تیاری کر لیتے۔

اللہ کی رحمت:

صحیح بخاری میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا مفہوم ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔“

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی رمضان کی تیاریوں میں اپنی رحمت کے ذریعے سے لوگوں کی مدد کرتا ہے اور وہ مدد بھی تین طرح کی ہوتی ہیں:

ایک تو یہ کہ انسان اور خدا کے بیچ کا فاصلہ مٹ جائے اور انسان خدا کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

دوسرا یہ کہ اللہ جہنم کے دروازے بند کر دیتا ہے تاکہ انسان کو یہ احساس ہو کہ اب اس کے پاس جنت میں جانے کیلئے رمضان جیسا سنہری موقع اللہ نے عطا کیا ہے اور وہ اللہ سے جہنم سے آزادی طلب کرے۔

تیسرا یہ کہ شیاطین کو جکڑ کر قید کر لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو شیاطین کے بہکاوے سے اور اس کے وساوس سے انسانوں کو بچنے کا موثر نظام عطا کرتا ہے۔ اگر انسان رمضان کے مہینے میں اپنے نفس پر قابو پا کر خدا کی اطاعت قبول کرے تو وہ خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔

رمضان کی تیاری کیسے کریں؟:

ماہ رمضان کی عظمت کو پہچانیں

رمضان المبارک کی تیاری اور خود کو اسکے لئے تیار کرنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ اللہ نے ہمیں رمضان جیسے مقدس مہینے سے کیوں نوازا ہے اور اسکے ذریعے اللہ کی کونسی حکمت عملی ہے جو ہمیں جاننا چاہیے اور رمضان کو ماہ عظمت کیوں کہا جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروں پر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔“ (البقرہ: ۱۸۳)

اللہ تعالیٰ ان روزوں کی فرضیت کے ذریعے اہل ایمان کے دلوں میں تقویٰ اور اللہ سے ڈرنے کی صفت پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ ہم اسکے متقی اور پرہیزگار بندے بن جائیں اور تمام

امور کو خالص اسی کے لئے اور اسی کے احکام کے مطابق کرنے والے بن جائیں۔ آپ اگر رمضان میں کبھی اہل ایمان کے معاملات پر غور کریں تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ روزہ وہ بہترین عمل ہے جس کے ذریعے ہم خدا کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ کوئی آدمی روزے سے ہوتا ہے تو وہ اللہ کے لئے روزہ رکھتا ہے اور دن میں پانچ وقت وضو کرنے کے بعد بھی وہ پانی کا ایک قطرہ اپنے حلق سے اترنے نہیں دیتا کیونکہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے کہ کہیں پانی کا ایک قطرہ کبھی غلطی سے حلق سے اترے اور اس کا روزہ ٹوٹ نہ جائے۔

نیتوں کو خالص کرنا ہے:

رمضان کی آمد سے قبل ہم اپنی نیتوں کا بھی جائزہ لیں اور اپنی نیتوں کو صرف اور صرف اللہ کے لئے خالص کر کے اسکی عبادت کریں اور نیک کام کریں۔ اگر آپ کوئی نیک کام کرتے ہیں اور آپ کی نیت میں کھوٹ ہے تو یہ جان لیجیے کہ اللہ کو آپ کی ایسی عبادتوں سے کوئی سروکار نہیں، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اسکا بندہ ہر عمل کو صرف اور صرف اسی کے لئے خالص کرے۔ آپ جو بھی نیک کام کر رہے ہوں یا عبادت کر رہے ہوں تو یہ جائزہ لیں کہ اس کام میں کوئی ریا تو موجود نہیں اور کہیں یہ کام آپ دوسروں کو دکھانے اور واہ واہی حاصل کرنے کیلئے تو نہیں کر رہے ہیں؟ آپ اپنے دل میں یہ ارادہ کیجئے اور یہ کام اس مناسبت سے کیجئے کہ آپ کو اسکا اجر اللہ کے حضور اس کی رضا کے صورت میں لینا ہے ناکہ دنیا میں لوگوں کی واہ واہی کی صورت میں۔

دل کی صفائی:

رمضان کی آمد سے قبل آپ اپنے دلوں کو حمد، کینہ برائی، خواہشات نفس، عداوت، ناشکری وغیرہ جیسی تمام باتوں سے پاک کر لیجئے تاکہ جب آپ رمضان کے روزے رکھیں تو آپ کا دل ان تمام سے پاک ہو اور آپ خالص خدا کے ذکر سے اپنے دل کا سکون حاصل کر سکیں۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”آگاہ رہو! جسم میں ایک ٹکڑا ہے جو صحیح رہتا ہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور وہ جگہ جاتا ہے تو سارا جسم جگہ جاتا ہے، آگاہ رہو وہ دل ہے۔“

پچھلے گناہوں سے توبہ:

رمضان کی آمد سے قبل ہی آپ سے سرزد ہو چکے گناہوں کے لئے اللہ کے حضور گڑگڑائیے اور اس سے گناہوں کی معافی مانگئے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”اللہ کہتا ہے کہ آدم کی اولاد گناہ گار ہے اور ان میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔“

ساتھ ہی ساتھ آپ اللہ کی اس نعمت کو بھی نگاہ میں رکھئے کہ اللہ نے آپ کو ایک بار پھر سے رمضان کا مقدس مہینہ عطا کیا ہے اور پھر سے آپ کو سنورنے اور نکھرنے کا موقع دیا ہے۔

نمازوں کا اہتمام:

اللہ نے ہم پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں لیکن ہم اپنی دنیاوی زندگی میں کبھی اتنے مصروف ہو جاتے ہیں کہ نمازوں کے لئے وقت نکالنا ہمارے لئے مشکل ہوتا ہے اور وہ نمازیں یا

تو قضا ہو جاتی ہیں یا فوت ہو جاتی ہیں۔

آپ اس رمضان کی آمد سے قبل فرض نمازوں کے ساتھ سنت اور نوافل کا بھی اہتمام کریں تاکہ رمضان میں ہماری کوئی نماز قضاء نہ ہو۔

دعاؤں کا اہتمام:

بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ ہم خدا کے حضور دعا مانگنے میں بہت کوتاہی کر جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

”دعا عبادت کا مغز ہے۔“

اس رمضان میں ہم خصوصاً اپنے لئے اور عمومی طور پر تمام اہل ایمان کیلئے دعاؤں کا اہتمام کریں کہ اللہ ہمیں تقویٰ اور زہد عطا کرے، ہمیں نیک کام اور تیری رضا والے اعمال کرنے کی توفیق دے اور ریا کاری سے بچا اور جہنم سے آزادی عطا کرے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تمہارا رب بہت حیا کرنے والا اور سخی ہے، جب بندہ اس کے حضور ہاتھ اٹھاتا ہے تو انہیں غالی ہاتھ لوٹاتے اسے شرم آتی ہے۔“

نیکی کے کاموں میں سبقت:

اس رمضان میں آپ ارادہ کیجئے کہ نیکی کے کاموں میں خود کو پیش پیش رکھیں گے کیونکہ جتنا ہم نیکی کی طرف سبقت لیتے جائیں گے اتنا ہی ہم گناہوں سے دور ہوتے جائیں گے۔

ہم فرض نمازوں کے علاوہ نفل نمازیں بھی ادا کرنے کی کوشش کریں، ذکر و اذکار کرنے کی کوشش کریں، درس قرآن کی محفلوں کیلئے اپنا وقت نکالیں، خود بھی نیکی کا کام کریں اور

دوسروں کو بھی نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، لوگوں کے لئے سہولیات فراہم کرنے کا ذریعہ بنیں نہ کہ مشکلات فراہم کرنے کا، لوگوں کی مدد کرنے کا جذبہ خود کے اندر پیدا کریں، مسافروں کی مدد کریں، اپنے آس پڑوس غریبوں کی مدد کریں۔

قرآن سے لگاؤ:

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس نے قرآن کو رمضان جیسے مقدس مہینے میں نازل کیا۔ اس لئے ہمارا بھی قرآن کی عظمت کے لحاظ سے اس سے لگاؤ ہونا چاہیے۔ ہم روزانہ کے معمول میں قرآن کو پڑھنے اور اسے سمجھنے کا وقت متعین کریں۔ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ اللہ اس قرآن کے ذریعے ہمیں کیسے راہ راست عطا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے جو بھی ہدایات اس قرآن میں ہمارے لئے اور ہماری فلاح کے لئے نازل کی ہیں ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں۔

اپنے اوقات کی ترتیب کیجئے اور حتی الامکان ان پر پابند ہونے کی کوشش کیجئے۔ ہم یہ کوشش کریں کہ ہمارا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں گزرے۔ خود کو زیادہ آرام فراہم کرنے سے اجتناب کیجئے۔ اس رمضان میں اللہ سے قریب ہونے کی کوشش کیجئے۔ اس رمضان میں نماز، روزہ، تلاوت، ذکر و اذکار، لوگوں کی مدد، گھر والوں کی تربیت وغیرہ ان تمام کا خاکہ تیار کیجئے اور سبھی کام اپنے وقت پر انجام دینے کی کوشش کیجئے۔

●●●

رمضان اور ہمارا رویہ

سفانہ کمال فلاحی

برخلاف روزہ ایسی عبادت ہے جس کا حال بندے اور خدا کے سوا کسی پر نہیں کھل سکتا ہے۔ اگر چپکے سے ایک شخص کھاپی لے تو ساری دنیا یہی سمجھتی رہے گی کہ وہ روزے سے ہے لیکن وہ حقیقت میں روزے سے نہیں ہوتا ہے۔

جو شخص حقیقت میں روزے رکھتا ہے سخت بھوک اور پیاس کی حالت میں بھی جب کہ آنکھوں میں دم آ رہا ہو کھانے پینے کا ارادہ نہیں کرتا، اسے اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر کتنا ایمان کتنا زبردست یقین ہے کہ اس کی حرکت چاہے ساری دنیا سے چھپ جائے مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتی۔ کس قدر مضبوط اعتقاد ہے اس کو آخرت کی جزا اور سزا پر کہ مہینہ بھر میں وہ کم از کم تین سو ساٹھ گھنٹے روزہ رکھتا ہے اور اس دوران میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے دل میں آخرت کے متعلق شک کا شائبہ تک نہیں آتا، اور یہی کیفیت، حالت اللہ تعالیٰ کو تمام زندگی بندے سے مطلوب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر سال کامل ایک مہینے تک مسلمان کے ایمان کو مسلسل آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس آزمائش میں جتنا جتنا آدمی پورا اترتا ہے اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے گویا یہ ایک

کی عبادت سے خالی نہیں رہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزے کو ہر زمانے میں کیوں فرض کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟

اسلام کا اصل مقصد انسان کی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت بنا دینا ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے نام سے جو عبادتیں ہم پر فرض کی گئی ہیں ان کا اصل مقصد اسی بڑی عبادت کے لیے ہم کو تیار کرنا ہے۔ ان عبادتوں کو فرض کرنے کی غرض یہی ہے کہ ان کے ذریعے سے آدمی کی تربیت کی جائے اور اس کو اس قابل بنایا جائے کہ اس کی پوری زندگی اللہ کی عبادت بن جائے۔

روزہ مخفی عبادت ہے۔ روزے کے سوا دوسری جتنی بھی عبادتیں ہیں وہ کسی نہ کسی ظاہری حرکت سے ادا کی جاتی ہیں، مثلاً: نماز میں اٹھتا ہے بیٹھتا ہے، رکوع سجدہ کرتا ہے جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح حج کے لیے بھی ایک لمبا سفر طے کر کے جانا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ بھی ایک شخص دیتا ہے اور ایک شخص لیتا ہے، ان سب عبادتوں کا حال چھپ نہیں سکتا اگر آپ ادا کرتے ہیں تب بھی لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے اور اگر ادا نہیں کرتے تو بھی لوگ باخبر ہو جاتے ہیں۔ اس کے

معزز قارئین وقارعات!

دوسری عبادت جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہے وہ روزہ ہے۔ روزے سے مراد یہ ہے کہ صبح سے شام تک آدمی کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرے۔ نماز کی طرح یہ عبادت بھی ابتدا سے تمام پیغمبروں کی شریعت رہی ہے، پچھلی جتنی امتیں گزری ہیں سب اسی طرح روزے رکھتی تھیں جس طرح امت محمدیہ رکھتی ہے، البتہ روزے کے احکام اور روزہ کی تعداد اور روزے رکھنے کے زمانے میں شریعتوں کے درمیان فرق رہا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مذاہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے اگرچہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی باتیں ملا کر اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۸۳)

”یعنی اے مسلمانو! تم پر اسی طرح سے روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی شریعتیں آئی ہیں وہ کبھی روزے

ماہ کی مسلسل ٹریننگ ہے اور رمضان کا مہینہ تربیت کے لیے ایک سازگار اجتماعی ماحول ہے۔

روزے کے اصل مقاصد:

۱۔ جھوٹ سے بچنا: حدیث:

”جس کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں۔“

۲۔ ایمان اور احتساب: حدیث:

”یعنی جس نے روزہ رکھا ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔“

۳۔ گناہوں سے بچنے کی ڈھال: حدیث:

”روزہ ڈھال کی طرح ہے، لہذا جب کوئی شخص روزہ رکھے تو اسے چاہیے کہ دنگے، فساد سے پرہیز کرے، اگر کوئی اس کو گالی دے تو اس کو کہہ دینا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔“

۴۔ نیکی کی حرص: حدیث:

”حضورؐ نے فرمایا: روزے کی حالت میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہیے۔

آدمی کا ہر عمل خدا کے یہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے۔ ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھتی پھلتی ہے لیکن روزہ اس سے مستثنیٰ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی جتنا چاہتا ہوں بدلہ دیتا ہوں۔“

پس اس مہینے میں نیکیاں حاصل کرنے کے لیے سبقت حاصل کرنی چاہیے۔ روزہ نیکیوں کا موسم بہار ہے۔ اب یہ ہمارے اوپر ہے کہ ہم اس بہار کو کتنے دیر تک قائم رکھتے ہیں۔ ہماری یہ بہار صرف

ایک مہینے کے لیے ہے تو پھر وہ خزاں بن جائے گی لیکن اگر ہم اس بہار کے اثرات کو گیارہ مہینوں تک باقی رکھیں گے تو یہ باغ اور پھلے پھولے گا اور اس کے پھلنے پھولنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

روزے کے یہ اثرات اور نتائج جان کر ہم میں سے ہر شخص حیران ہو گا کہ یہ اثرات آج کہاں ہیں؟ آج ہماری نظر میں عبادت میں محض ظاہری شکل ہے، عبادت کی اصل روح عمل ہے۔ سمجھ

بو جھ، خالص نیت پر تمام عبادتیں منحصر ہیں۔ آج اگر حالات کا جائزہ لیں تو یہ عبادت جس کی اتنی اہمیت اور فضیلت ہے اس کو بھی ہم نے رسی بنا دیا ہے۔ ہماری روح اس کی غرض و غایت سے خالی ہے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں معمولی

عذر پر لوگ روزے کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، گرچہ شریعت میں روزے کے سلسلے میں سفر اور مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی رعایت دی گئی لیکن بہت سارے لوگ ہیں جو اس رعایت کا غلط فائدہ

اٹھا رہے ہیں۔ مثلاً: طالب عالم امتحانات کو بنیاد بنا کر، عورتیں دیگر مصروفیات اور چھوٹے بچوں کو جواز بنا کر، مرد دفتر اور کام کاج کی مصروفیت کو جواز بنا کر بلا تامل روزہ چھوڑ دیتے ہیں اور آئندہ مہینوں میں قصاروزوں کو ادا بھی نہیں کرتے۔

اسی طرح عورتیں ماہواری کے ایام میں چھوٹے ٹٹے والے روزوں کی ادائیگی کرنے میں کوتاہی کرتی ہیں جب کہ سمجھ لینا چاہیے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور فرض کو ادا نہ کرنے پر بڑا گناہ ہے۔

اگر ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے تو اپنا جائزہ لیں اور آئندہ کے لیے روزے کی معنویت کو سمجھتے ہوئے اس کا اہتمام کریں۔ روزے کے اہتمام

کے ضمن میں کچھ باتیں قابل غور ہیں:

۱۔ نیت و ارادہ: انما الأعمال بالنیات۔

۲۔ قرآن مجید سے تعلق: شہر رمضان الذی أنزل فیہ القرآن۔

۳۔ اللہ کی نافرمانی سے بچنا: والتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔

۴۔ قیام لیل: کانوا قلیلاً من اللیل ما یہجعون۔

۵۔ ذکر و دعا کا اہتمام: فاذکرونی

اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون۔

۶۔ شب قدر کا اہتمام: انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔

۷۔ انفاق فی سبیل اللہ: وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بأیدیکم الی التہلکة۔

۸۔ انسان کی خدمت: وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ۔

۹۔ دعوت الی القرآن: خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔

آئیے! اس رمضان میں ہم یہ عہد کریں کہ خالص ارادہ و نیت کے ساتھ صرف اللہ کے لیے یہ کام کریں گے اور اپنے آپ میں بدلاؤ لائیں گے اپنا احتساب کر کے آئندہ کے لیے بہترین لائحہ عمل متعین کریں گے اور اپنے تمام اعضاء کو بھی

گناہوں سے بچائیں گے۔ قرآن سے اپنے رشتے کو مضبوط بنائیں گے اور اپنے رمضان کو صرف کچن

کی نذر نہ کریں گے، کچن میں کم سے کم وقت دیں گے، زبان کے چٹارے کا نہیں روح کی غذائیت

کا اہتمام کریں گے اور سورۃ العصر کے پیغام کو سمجھنے اور نافذ کرنے کی کوشش کریں گے۔ ●●●

غربت کا خاتمہ اور زکوٰۃ کا اجتماعی نظم

اسامہ عظیم فلاحی

مال کے سلسلے میں روح اسلام: فروخت کر کے گزر بسر کرے، اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے کہ جن کا جی چاہے دیں اور چاہیں تو نہ دیں۔ (متفق علیہ)

لیکن اللہ کے پاکباز اور فرمانبردار بندے اللہ کی رضا کے لیے اس کے کمزور بندوں پر لٹاتے ہیں۔ (الدرہ: 8)

کیونکہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ لٹانے کے اس عمل سے مال میں خوب اضافہ ہوتا ہے (الحدید: 11)

نیز اللہ کی رحمت اور معیت انہیں حاصل ہوتی ہے۔ (المائدہ: 12)

جو لوگ زکوٰۃ و صدقات دیتے ہیں وہ دراصل ایک ایسی تجارت میں اپنا مال لگاتے ہیں جس میں کبھی خسارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ (فاطر: 29)

اللہ کی رضا کے لیے بندوں پر لٹانا نیکی کی کنجی ہے۔ (آل عمران: 92)

جو لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں انہیں بے اوقات پلٹ کر تکلیف دہ رویوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے کیونکہ لینے والے کے دل میں دینے والے کے سلسلے میں حسد پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر ممکن ہے احسان جتلانے کے کچھ جملے نکل جائیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کی تربیت کرتے ہوئے انہیں رد عمل سے بچنے تلقین کرتا ہے۔ (البقرہ: 264)

فرمانِ مہر کرے، اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے کہ جن کا جی چاہے دیں اور چاہیں تو نہ دیں۔ (متفق علیہ)

اسلام ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تربیت کرتا ہے کہ لوگ دینے والے نہیں نہ لینے والے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اوپر والا ہاتھ دینے والے سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

قرآن مجید میں کثیر الاستعمال اصطلاح انفاق کی ہے۔ زکوٰۃ سے زیادہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ انفاق کریں۔ اس معاملے صاحب نصاب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دراصل قرآن کے نظریہ بقاء نفع (سورہ رعد) کی تفصیل و تشریح ہے۔ بقول مولانا آزاد:

”مسلمان اس لیے دنیا میں نہیں بھیجا گیا ہے کہ وہ یہ سوچے کہ میں دنیا سے کیا کیا لوں، بلکہ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ دیکھے کہ میں نے دنیا کو کیا کیا دیا۔“ (خطبات آزاد)

دنیا کو کچھ دینے کے سلسلے میں اہل ایمان کو شیطان فقر کا خوف دلاتا ہے۔ (البقرہ: 268)

اسلام اپنے ماننے والوں کی تربیت اس طور پر کرتا ہے کہ وہ محنت کر کے کمائیں۔ نبی کریمؐ سے سوال کیا گیا کہ کونسی آمدنی پاکیزہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آدمی کی اپنی ہاتھوں کی محنت سے کمائی؟ (رواہ البزار و صحیحہ الحاکم)

میرے علم کے مطابق صرف ایک موقع پر یہ بات ملتی ہے جب اللہ کے رسول ﷺ نے ایک آدمی کا ہاتھ چوما ہو۔ ایک شخص کے ہاتھوں کو دیکھا کہ وہ کھردرے اور سخت ہیں۔ آپ ﷺ نے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا کہ میں پتھر توڑتا ہوں اور اس آمدنی سے زندگی گزارتا ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس شخص کا ہاتھ چوم لیا۔ ایک شخص آپ ﷺ سے کچھ مانگنے آیا۔ آپ ﷺ نے اسے ایک درہم عنایت فرمایا کہ اس سے ایک سی خرید لے۔ جنگل سے لکڑیاں چنے اور انہیں باندھ کر لے آئے اور اس طرح اپنی قوت بازو کی کمائی پر گزر بسر کرے۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ بات کہ تم میں سے کوئی سی لے، لکڑیاں چن کر اپنی پیٹھ پر لادے اور اسے

قرآن مجید جمع خوری اور ذخیرہ اندوزی پر خطرناک وعیدیں سناتا ہے۔ جو قوم زکوٰۃ نہیں دے گی وہ قحط کا شکار ہوگی۔ مالی خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آخرت میں ایسے لوگوں کے جمع شدہ سونے چاندی کو تپا کر اس کے مالک کی پیٹھ اور پیشانی کو داغا جائے گا۔ قیامت کے دن اس کا مال سانپ کی شکل اختیار کر لے گا اور اس کے گلے سے لپٹ جائے گا۔ پھر یہ سانپ اس کے دونوں جڑوں کو چکڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں۔

اسلام فقر کو کیوں ختم کرنا چاہتا ہے؟

زکوٰۃ و صدقات کے احکامات کا بنیادی مقصد انسانی شرافت کو برقرار رکھنا اور غربت سے سماج کو محفوظ رکھنا ہے۔ سید قطب لکھتے ہیں:

اسلام کو انسانوں کو فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا ناگوار ہے۔ اس نے یہ اصول طے کر دیا ہے کہ فرد اگر استطاعت رکھتا ہو تو اپنی قوت بازو کے بل پر اپنی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرے اور اگر وہ کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکتا ہو تو اسے سماج کے مال میں سے کفاف دیا جائے۔“

(اسلام میں عدل اجتماعی، سید قطب، مترجم، نجات اللہ صدیقی، ص 273) مزید لکھتے ہیں:

”اسلام کو انسان کا فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا کیوں نہیں گوارا؟ اس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ انسان کو اس کی مادی ضروریات سے فارغ کر کے ان بلند مقامات و منازل کی طرف توجہ کرنے کا موقع فراہم کرے جو مقام انسانیت اور اس خصوصی شرف و امتیاز کے شایان شان ہیں جو

اللہ نے بنی آدم کو عطا فرمایا ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم۔ (بنی اسرائیل) اللہ نے انسانوں کو یہ بزرگی عقل و جذبات اور جسمانی ضروریات سے بلند مقاصد کی طرف روحانی میلانات دے کر عملاً عطا فرمادی ہے۔ اب اگر انسانوں کو ضروری سامان زندگی اس قدر بھی میسر نہ ہو کہ انہیں ان روحانی میلانات اور فکری بلند پروازیوں کے لیے کچھ وقت مل سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی یہ بزرگی ان سے چھین لی گئی اور وہ جانوروں کے مقام پر واپس چلے گئے بلکہ اس سے بھی نیچے۔ کیونکہ جانوروں کو تو عموماً کھانے پینے کو مل جاتا ہے۔ بہت سارے جانور مست ہو کر کلیلیں کرتے پھرتے ہیں اور کتنی ہی چیزیاں پیٹ بھر لینے کے بعد زندگی کی رعنائیوں پر خوشیاں مناتی اور چہچہاتی پھرتی ہیں۔

ایسا شخص جسے اپنے کھانے پینے کی فکر اتنا مشغول رکھے کہ بلند مقام انسان کے شایان شان افکار و تصورات کی طرف توجہ کرنا تو بجا، اتنی فرصت اور اس قدر فراغ ذہن بھی میسر نہ ہو جتنا چرند و پرند کو حاصل ہے، وہ نہ تو انسان کہلانے کا مستحق ہے نہ اللہ کے نزدیک شرف و امتیاز کا حامل۔ یہ صورتحال کہ آدمی اپنا سارا وقت صرف کر دینے اور ہر ممکن کوشش کر لینے کے باوجود بقدر کفایت روزی نہ حاصل کر سکے، اس کے حق میں سم قاتل ہے۔ یہ اسے اس مقام سے بہت نیچے گرا دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پسند فرمایا ہے۔ یہ صورت حال اس سماج کے حق میں بھی مہلک ہے جس کے افراد اس میں مبتلا ہوں۔ یہ ایک گرا ہوا سماج ہے جو اللہ کی طرف

سے ہونے والی عبرت و بزرگی کا مستحق نہیں کیونکہ اس نے ارادہ الہی کی خلاف ورزی کی ہے۔“ (اسلام میں عدل اجتماعی، ص 273-274) فقر انسان کو کفر، بدکاری اور اولاد کے قتل تک لے کر چلا جاتا ہے اور فارغ البالی کے نتیجے میں گناہوں سے حفاظت نصیب ہوتی ہے۔ اس فرق کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک شخص نے رات کے اندھیرے میں کسی کو خیرات دی، اتفاق سے وہ آدمی چور نکلا، صبح ہوئی تو لوگوں میں اس کا چرچا ہوا۔ دوسری بار محتاج جان کر اس نے ایک عورت کو خیرات دی، اتفاق سے یہ عورت زانیہ لگی، دوسرے دن پھر چرچا ہوا کہ رات فلاں شخص نے اس فاحشہ کو خیرات دی، رات میں اس شخص نے خواب میں کسی کو کہتے سنا کہ تم جمع خاطر رکھو، ہو سکتا ہے جس چور کو تم نے خیرات دی ہے، وہ چوری سے توبہ کر لے، یا وہ فاحشہ عورت تمہاری خیرات پا کر بری عادت چھوڑ دے۔“ (الترغیب والترہیب)

اسلام نے اس طرح کے حالت سے محفوظ رکھنے اور اس کی کرامت کو برقرار رکھنے کے لیے زکوٰۃ کو لازم کیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تعبیدی فرائض میں نماز کے بعد دوسرا نمبر زکوٰۃ کا آتا ہے۔ زکوٰۃ عبادت کے ساتھ ساتھ ایک اجتماعی فریضہ بھی ہے۔ ”لفظ زکوٰۃ میں برکت، نمو، طہارت اور صلاح شامل ہے۔“ (فقہ الزکوٰۃ، ص 9)

قرآن میں لفظ زکوٰۃ 30 دفعہ آیا ہے۔ 27 دفعہ نماز کے ساتھ۔ صدقہ یا صدقات کا لفظ 12 مرتبہ آیا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی صورت میں ہم

دنیوی اور اخروی دونوں قسم کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ قیامت کے دن فقراء اور مساکین دامن تھام لیں گے۔

طبرانی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن مال داروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھوں سے خرابی ہوگی۔ محتاج عرض کریں گے، خداوند، ہمارے جو حقوق تو نے ان پر فرض کیے تھے انھوں نے ظلماً ادا نہیں کیا۔ اللہ عروبل فرمائے گا: میری عزت اور جلال کی قسم میں تمہیں اپنا قرب عطا کروں گا اور انھیں دور رکھوں گا۔“

اموال زکوٰۃ:

سونا، چاندی، نقدی، اموال تجارت اور اموال نامیہ جو نصاب کو پہنچ چکا ہو اور سال گزر گیا ہو تو ڈھائی فیصد زکوٰۃ بنے گی۔ زمین سے پیدا ہونے والی اشیاء پر فصل کا اعتبار کیا جائے گا۔ آسمانی بارش سے پیداوار ہوئی تو دس فیصد ورنہ پانچ فیصد جملہ پیداوار میں سے زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔ جمہور کے نزدیک سبزیاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

قرآن کے مطابق مصارف زکوٰۃ آٹھ ہیں جن میں سے تین کا براہ راست تعلق غربت سے ہے۔ فقیر، مسکین اور قرضدار۔

فقیر و مسکین: احتیاف کے نزدیک فقیر وہ ہے جو نصاب زکوٰۃ سے کم کا مالک ہو یا اس کی ملکیت میں نصاب کی قیمت کے بقدر یا اس سے زائد اشیاء مثلاً فرنیچر، گھریلو سامان، کپڑے، کتابیں وغیرہ ہوں جو بنیادی ضرورت کے طور پر اس کے استعمال میں ہوں اور وہ ان سے استفادہ کرنے کا ضرورت مند ہو، اور مسکین وہ ہے جو کسی کا

مالک نہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فقر و مسکنت نصاب کی عدم ملکیت پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار بقدر ضرورت ملکیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر فقیر وہ ہے جس کے پاس نہ اتنا مال ہو اور نہ ہی جائز اور مناسب حال ذریعہ معاش کہ جس سے اس کے زیر کفالت افراد کے خورد و نوش، لباس، رہائش وغیرہ کی ضرورتیں کسی اسراف یا بخل میں مبتلا ہوئے بغیر پوری ہو سکیں۔

مثلاً کوئی شخص یومیہ دو چار درہم ہی کماتا ہے جب کہ وہ دس درہم کا ضرورت مند ہو۔ اور مسکین وہ ہے جو حصول مال یا جائز کسب معاش پر جو اس کی زیر کفالت افراد کے لیے کافی ہو سکے قادر ہو لیکن اس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو۔ مثلاً ایک شخص اگر دس درہم کا ضرورت مند ہو اور وہ صرف سات درہم پاتا ہو اور پھر وہ صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو۔

(فقہ الزکاۃ ص: 329)

مقروض کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ سید نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، البتہ اگر اس کے پاس اتنا مال ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد بھی نصاب کے برابر اس کے پاس بچ رہے تو ایسے مقروض کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ مجاہد کے نزدیک غارم تین اشخاص ہیں۔ سیلاب کی وجہ سے کسی کا مال تباہ ہو گیا ہو، دوسرا وہ جس کا مال نذر آتش ہو گیا ہو اور تیسرا وہ جس کے اہل و عیال ہوں لیکن اس کے پاس مال نہ ہو اور ان پر خرچ کرنے کے لیے اس نے قرض لیا ہو۔

علامہ یوسف القرضاوی کے نزدیک قرض دار

دو طرح کے ہوتے ہیں:

پہلا وہ جو فقر میں مبتلا ہو کر قرض لیتے ہیں اور واپس کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے، دوسرے وہ جن کی ضرورتیں وقتی ہوتی ہیں اور تھوڑے عرصہ میں قرض کی ادائیگی کے لیے ان کے پاس وسائل ہوتے ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ غارمین کی مدد سے حاجت مندوں کو قرض دیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں سودی فوائد کا خاتمہ ممکن ہے۔ (فقہ الزکاۃ ص: 378)

زکوٰۃ کے مقاصد:

(الف) زکوٰۃ دینے والے کا دل دنیا کی حرص اور طمع سے پاک ہو جائے اور پاک ہو کر نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے لیے تیار ہو جائے۔ چنانچہ زکوٰۃ کو زکوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دلوں کو حب دنیا کی لالشوں سے پاک و صاف کرنے کا باعث بنتی ہے۔

(ب) زکوٰۃ سے ملت کے نادار افراد کی مدد مقصود ہے تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں اور اپنے فرائض پورا کرنے کے قابل بن جائیں۔

(د) دین کی حفاظت اور نصرت: مصارف زکوٰۃ میں قرآن کی ترتیب اور احادیث سے یہ واضح ہے کہ ”مساکین اور فقراء کو تمام اصناف پر مقدم رکھنا چاہیے کیونکہ ان کی احتیاج کو دور کرنا زکوٰۃ کا اولین مقصد ہے، الا یہ کہ مخصوص حالات وقتی طور پر کسی اور صنف کو مقدم رکھنے کے متقاضی ہوں۔ (فقہ الزکاۃ ص: 424)

کتنادیا جائے؟:

یہاں سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ فقراء و

مساکین کو کتنا دیا جائے نیز اس میں کس کس طرح کے لوگ شامل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اذا اعطيتهم فأغنوا۔ ”جب تم دو تو بے نیاز کر دو۔“ علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ ایک وقتی اعانت نہیں ہے کہ کسی محتاج کی فوری ضرورت پوری کر دی جائے اور پھر اسے فقر و فاقہ کے حوالے کر دیا جائے بلکہ اس کا مسئلہ فقر و فاقہ کو ختم کرنا اور محتاجوں کو ہمیشہ کے لیے بے نیاز کر دینا اور اپنے بل بوتے پر کھڑا کرنا ہے۔“ (فقہ الزکوٰۃ ص: 48)

فقہاء کے اقوال اس سلسلے میں حسب ذیل ہیں:

امام شافعی کے نزدیک فقراء و مساکین کو اتنا دیا جائے جو انہیں ہمیشہ کے لیے فقرا اور محتاجی سے بے نیاز کر دے۔

مالکیہ، حنابلہ اور فقہاء کی ایک بڑی تعداد کہتی ہے کہ فقراء و مساکین کو ایک سال کی ضرورت کے بقدر زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا کیونکہ زکوٰۃ کا غالب مال سال پر منحصر ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے نزدیک نصاب کے بقدر دیا جائے گا یعنی 200 درہم۔ (نظام مصرف الزکوٰۃ و توزیع الغنائم فی عہد عمر بن الخطاب۔ ابراہیم عثمانی الخلعونی ص: 76)

راقم کے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے۔ یعنی ایک سال کی ضروریات کی تکمیل کر دی جائے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضروریات میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں؟ امام نووی

نے ”المجموع“ اور امام ابن حزم نے ”المحلی“ میں لکھا ہے کہ کھانا، لباس، رہائش اور وہ تمام چیزیں جس سے بے نیازی ممکن نہیں وہ تمام چیزیں اس شخص اور جو اس کے ماتحت ہیں کو اس کی حالت کے مطابق دیا جائے گا۔ (ابحاث و اعمال مؤتمرا لزا کاۃ الاول، 1984 ص: 45)

زمانے کے اعتبار سے حاجتیں بدلتی رہتی ہیں۔ بہت ساری چیزیں حاجات میں شامل ہو جاتی ہیں، اس لیے اس کا اعتبار ضروری۔

موجودہ دور میں زکوٰۃ کے مال سے اتنا دینا ضروری ہے جو بچوں کی تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اسی طرح نکاح بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ بہت سارے نوجوان لڑکے لڑکیاں مال کی کمی کی وجہ سے شادی نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے عفت و پاکدامنی کی حفاظت مشکل ہو گئی ہے۔ زنا کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

”کسی غریب کا نکاح کی ضرورت سے زکوٰۃ لینا ضروریات زندگی کی تکمیل کا سامان کرنا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کی طرف سے روزانہ اعلان ہوتا تھا کہ کوئی مسکین، قرضدار یا نکاح کا خواہش مند ہے؟ تاکہ ہر طبقہ کی ضرورت بیت المال سے پوری کر دی جائے۔“

(فقہ الزکوٰۃ ص: 340)

اس ضمن میں علامہ یوسف القرضاوی نے بنیاً خوبصورت باتیں لکھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

”اے ہماری کوتاہ نظری سمجھنی چاہیے کہ ہم نے صرف کھانے اور کپڑے کو زندگی کی ضرورت سمجھا اور زندگی کی سب سے اہم ضرورت

یعنی ازدواج اور شادی بیاہ کو نظر انداز کر دیا جس کے سامنے جملہ ضروریات ہیج اور فروتر ہیں! یہ اس لیے کہ جنت ارضی کی ساری رونق اور ویران دنیا کی تمام آباد کاری کا دار و مدار اسی ایک عمل پر ہے اور کوئی مرد یا عورت خود کو اس فطری جذبے کا گلا بیکھو نہ کھوٹ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ازدواجی ضرورت کو اہمیت دیتا ہے اور غربت یا تنگدستی کے سبب ازدواجی سہولت فراہم نہ ہونے کی صورت میں اس فطری خواہش کو غیر فطری ذرائع سے دبانے یا کچلنے کی اجازت نہ دیتے ہوئے اس کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے کی پوری اجازت دیتا ہے۔“ (اسلام میں غریب کا علاج، یوسف القرضاوی، مترجم، نصیر احمد ملی، ص: 157)

زکوٰۃ کے لیے حکومتی یا جماعتی نظام:

زکوٰۃ کے ہمہ گیر فوائد اس کے اجتماعی نظام سے وابستہ ہیں۔ خود مصارف زکوٰۃ میں عاملین علیہا کا ذکر اس کی واضح دلیل ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی وصولیابی یا ادائیگی کی ذمہ داری تنہا افراد کے سر نہیں ڈالی گئی، نہ ہی انفرادی خیرات جیسی کوئی شکل اختیار کی گئی۔ اس لیے کہ اس صورت میں اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ خدا اور آخرت پر اعتماد کرنے والے اس کی ادائیگی میں کوئی کسر نہ رکھتے، لیکن بددیں اور بے فکرے زکوٰۃ دینے کا نام تک نہ لیتے اور اس طرح یہ عظیم الشان منصوبہ رائیگاں ہو جاتا ہے، جس کی تنظیم اور نفاذ پوری امت کی فلاح و بہبود کے

لیے عمل میں لایا گیا تھا۔ اس لیے ضرورت اس کی ہوئی کہ جس طرح نماز کا مزاج اور اس کی ایک شرعی حیثیت یہ طے پائی کہ حکومت (یا جماعت) کی سرپرستی میں کوئی منظم ادارہ اس کی وصولیابی اور تقسیم کا ذمہ دار بنے اور اس اہم فریضے کو نکلن و خوبی انجام دے۔“ (اسلام میں غربی کا علاج، یوسف القرضاوی، ص 137)

سید قطب لکھتے ہیں: ”زکوٰۃ کے بارے میں لوگوں کا تصور اس قدر بگڑ گیا ہے کہ وہ اسے معمولی درجہ کی انفرادی خیرات سمجھنے لگے ہیں جس کی بنیاد پر دور حاضر میں کوئی اجتماعی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ مگر غور کرنے کی بات ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے حاصل ہونے والی مجموعی رقم کی مقدار کتنی ہوگی جب کہ اس کی شرح قومی سرمایہ اور اس کے منافع کی کل مقدار کی ڈھائی فیصد ہے۔ مزید برآں اسے ادا کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں اسلام نے ایک خاص سانچے میں ڈھال کر اپنے قوانین اور تلقین و ترغیب کے ذریعے تربیت کی ہوگی جو کہ ایک ایسے اجتماعی نظام کے زیر سایہ پروان چڑھیں گے جس کی بلندی کا تصور بھی ان ذہنوں کے لیے دشوار ہے جنہوں نے اسی کے زیر سایہ زندگی نہ گزاری ہو۔ پھر اسے ایک مسلم ریاست ایک لازمی حق کے طور پر وصول کرے گی نہ کہ خیرات کے طور پر۔ اس کے ذریعے وہ مسلمانوں کی جماعت کے ہر فرد کی کفالت کرے گی جس کے ذاتی وسائل اس کے لیے ناکافی ہوں۔ اس طرح ہر فرد کو یہ اطمینان حاصل ہوگا کہ اس کی اولاد کی ضروریات زندگی کی تکمیل

بہر حال یقینی ہے۔ ساتھ ہی ریاست ادا کرتے قرض سے عاجز مقروض افراد کی جانب سے ان کے قرضے زکوٰۃ کی مدد سے ادا کرے گی خواہ یہ قرض کاروباری اغراض کے لیے ہوں یا غیر کاروباری اغراض کے لیے۔“ (اسلام اور عدل اجتماعی، ص 280)

افراد کو دینے کے ساتھ ساتھ غربیوں کے لیے زکوٰۃ کے پیسے سے تجارتی اور اجتماعی ادارے بھی بنوائے جاسکتے ہیں جس کی آمدنی فقراء و مساکین کے لیے وقف ہوگی۔ علامہ قرضاوی لکھتے ہیں:

”ایک مسلم ریاست اموال زکوٰۃ سے کارخانے، مکانات، تجارتی ادارے وغیرہ قائم کر سکتی ہے جن کا مالک غربیوں کو بنایا جائے تاکہ ان وسائل سے جو آمدنی ہو اس سے ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اور یہ چیزیں وقت قرار پائیں۔“ (فقہ الزکوٰۃ، ص 339)

چونکہ اس وقت اسلامی نظام قائم نہیں ہے اس لیے تنظیمیں اور ادارے اس کام کے لیے قائم کی جاسکتی ہیں اور ملت کی غربت کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی چھوٹا سا گروپ ایک گاؤں کو اپنا میدان عمل بنا کر زکوٰۃ کے ذریعے غربت کے خاتمے کی کوشش کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے تربیت یافتہ افراد کی اشد ضرورت ہوگی۔ اس کام کو مستقل بنیادوں پر کرنے کے لیے دو چار افراد کو فارغ کرنا پڑے گا اور اس کام کے لیے معقول مشاہرہ بھی طے کرنا ہوگا۔ پہلے مرحلے میں گاؤں کا مجموعی طور پر سروے کرنا ہوگا تاکہ پتہ چل سکے کہ غربی، مسکین، قرضدار، یتیم،

بیوہ وغیرہ کتنے ہیں۔ بچے پچیاں ہیں تو کتنی ہیں؟ ان کے تعلیمی اخراجات سال بھر کے کیا ہوں گے؟ اگر بچے اور پچیاں بڑی ہیں تو ان کو کون سی تعلیم کہاں سے دلائی جائے، کونسے ہنر سکھائے جائیں۔ ہنر سیکھنے کا انتظام گاؤں کی سطح پر کیسے ممکن ہو؟ بیوائیں ہیں تو ان کے لیے کون سے روزگار مناسب ہوں گے؟ پڑھی لکھی ہیں تو ان کی رہنمائی کس طرح کی جاسکتی ہے؟ ان کی شادی کا انتظام ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ وغیرہ۔ ایک سال سے دس سال تک کے منصوبے بنا کر کسی گاؤں سے غربت کا خاتمہ ممکن ہے۔ لیکن اس کے لیے سب سے اہم چیز امانت و دیانت سے متصف افراد کی فراہمی ہے۔ سروے کے بعد کچھ اس طرح سے تقسیم اور مدد کا طریقہ اپنایا جاسکتا ہے۔

(۱) اوسط درجے کے تاجر، درزی چھوٹا موٹا ہوٹل چلانے یا کوئی بھی کاروبار کرنے والے کو کھڑا کرنے کے لیے 15 سے 30 ہزار تک دیا جاسکتا ہے جس کے ذریعے اس روزگار سے جڑی بنیادی چیزیں خریدی جاسکیں۔

(۲) سونے چاندی کے زیورات بنانے والے، کھیتی باڑی جاننے والے، بڑی چیزوں کی تجارت کرنے والے یا اس سے باخبر افراد کو ضرورت کے مطابق بڑی رقم دی جاسکتی ہے۔

(۳) اذکار رفتہ اور بوڑھوں کے لیے مستقل امداد کی بہترین شکل یہ نکالی جاسکتی ہے کہ ان کے لیے کوئی ایسی مناسب چیز ایک بار خرید لی جائے جس کے ماہانہ یا ہفتہ واری کرائے سے تاحیات ان کی گزر بسر ہو سکے۔

(۴) ہنرمند اور مختلف پیشوں کے افراد کی

خدمت حاصل کر کے بے روزگار ضرورت مند نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ہنرمند بنا کر انہیں مناسب روزگار کی طرف رہنمائی کی جائے۔ اس سلسلے میں ملک کے ان اداروں سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جو اس سلسلے میں رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔ ان ساری سرگرمیوں میں صرف ہونے والی رقم زکوٰۃ کے مد سے لگائی جاسکتی ہے۔

آخر میں ایک بات اور جان لینی چاہیے کہ غربت دو طرح کی ہوتی ہے۔ وہ غریب جو کسی ذہنی یا جسمانی بیماری میں مبتلا ہو کر اپنا جوج اور معذور ہو جاتے ہیں یا معمر ہونے کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے ایسی غریبی لاعلاج ہے اور متبادل فراہم ہونے تک ان کے لیے تاحیات زکوٰۃ کی فراہمی کے سوا کوئی دوسرا سہارا نہیں ہے۔ غریبی کی یہ شکل ختم نہیں ہو سکتی۔

غریبوں کی دوسری قسم وہ ہے جو اگرچہ مفلس ہوتے ہیں لیکن درحقیقت یہ اس لائق ہوتے ہیں کہ ہاتھ اور پیروں کو حرکت دیں اور کچھ سہارا پا کر مزید سہارا خود پیدا کر لیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس دوسری قسم کی غریبی کا علاج ہی نہیں بلکہ زکوٰۃ کے ذریعے انہیں ایک بار سہارا مل جائے تو وہ آئندہ زکوٰۃ لینے کے بجائے دینے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں اور پھر خدا نے چاہا تو یہ شے ختم ہو جائے گا کہ زکوٰۃ سے غریبی ختم ہو سکتی ہے کہ نہیں۔

مجھے یقین ہے کہ گاؤں کی سطح پر اگر دس پانچ افراد اس سلسلے میں بخیرہ کوشش کریں تو دس سالوں میں کسی گاؤں سے غریبی کا مکمل خاتمہ ممکن ہے۔ اور یہ صرف اسلام کے نظام زکوٰۃ سے ہی ممکن ہے۔

میرے حبیب ﷺ نے فرمایا ہے: ”ایک زمانہ آئے گا جب آدمی صدقہ و زکوٰۃ لے کر گھومے گا اور کوئی لینے والا نہ ہوگا۔“ (متفق علیہ)

اور زمانہ آیا جب حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں لوگ صدقات کے مال رکھ کر چلے جاتے تھے لیکن کوئی لینے والا نہ ہوتا۔ (فتح الباری)

گاؤں کی سطح پر ہم یہ نظارہ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے اجتماعی نظام قائم کرنا پڑے گا۔ چند لوگوں کو قربانی دینی ہوگی۔ امانت داروں کو تلاش کرنا پڑے گا۔ یہ سارے کام اس حیثیت سے کیے جائیں کہ ہم خیر امت ہیں اور ایک نظام کے حامل ہیں جس کے بارے میں آخرت میں جواب دینا پڑے گا۔

...

دین سے روگردانی کا انجام

جن لوگوں نے اس دین کی معرفت حاصل ہونے کے بعد عملاً اسے ترک کر دیا یا رد کر دیا ہو اور انہوں نے اس نظام حیات کے علاوہ، جو اللہ نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اپنے لیے کسی اور نظام زندگی کو اپنالیا ہو، اللہ تعالیٰ انہیں سزا دیے بغیر نہیں چھوڑے گا، وہ انہیں ڈھیل نہ دے گا، وہ اپنے اس جرم کے وبال کا مزہ چکھ کر رہیں گے، جس کے وہ مستحق ہیں۔

(سید قطب شہید)

...

نماز کی جامعیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں صرف غور و فکر اور استغراق باطنی پر اکتفا نہیں کیا جاتا اور نہ زبانی اظہار تشکر پر قناعت کی جاتی ہے۔ نماز عبادت کی اس مکمل صورت کا نام ہے جس میں ذہن و قلب پر بھی فکر و تعمق کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ زبان بھی اس کے ذکر سے آراستہ ہے اور اعضاء و جوارح بھی رکوع اور سجدہ کی شکل میں نیاز مندی اور عبودیت پر دلالت کناں ہیں۔

(مولانا محمد حنیف ندوی)

...

اسلام کا نظامِ سمع و طاعت

قدسیر نصیر احمد

قد افلح من زكها وقد خاب من دسها
”کامیاب ہو گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا
اور نامراد ہوا وہ جس اے معصیت میں چھپایا“
دین اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ اس
نے زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی مکمل و
موثر رہنمائی کی۔ معاشرت، معیشت، سیاست،
تہذیب و تمدن اور اجتماعیت وغیرہ میں رہنمائی
کے لیے قرآن و سنت کی ہدایات موجود ہیں۔
انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر
گوشے میں واضح خطوطِ کار کی نشاندہی کی گئی ہے۔
اجتماعی زندگی کا ایک نمایاں حصہ سمع و
طاعت ہے یعنی سننا اور فرمانبرداری کرنا۔ اس
پر عمل کیے بغیر ایک بندہ مومن اپنے مقصدِ زندگی
کے حصول میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا اور
نہ کوئی جماعت یا تنظیم اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ
سکتی ہے۔ اسی بنا پر ایک شاعر نے کہا ہے
باثر ہوتا نہیں مومن جماعت کے بغیر
اور جماعت بے اثر ہے سمع و طاعت کے بغیر
قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں تفصیل کے

ساتھ بتایا گیا ہے کہ نظامِ سمع و طاعت کیسا ہو؟ اور
اس سے انسان اپنی زندگی کس طرح سنوار سکتا
ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي
شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَ
أَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء: ۵۹)
”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو
اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی
جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمہارے
درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے
اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیرو، اگر تم واقعی میں اللہ
اور رسولؐ پر ایمان رکھتے ہو، یہی صحیح طریقِ کار
ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔“
اللہ کے رسولؐ نے سمع و طاعت اور اس کی
اہمیت کو اس طرح واضح فرمایا ہے:
”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ
انہوں نے رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس

نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی
اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی
نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس
نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی
نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور یاد
رکھو! امامِ ڈھال ہے۔ اس کے پیچھے رہ کر جنگ
لڑی جاسکتی ہے اور اسی کے ذریعے اپنا بچاؤ کیا
جاتا ہے، پس اگر وہ تقویٰ کا حکم اور انصاف
کرے تو اس کے لیے اجر و ثواب ہے اور اگر وہ
اس کے خلاف کرے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔“
قرآن مجید کی آیت اور نبیؐ کی حدیث سے
نظامِ سمع و طاعت کا ایک واضح نقشہ ہمارے
سامنے آتا ہے جس کے سمجھنے کے لیے کچھ تفصیل
درکار ہے۔
ویسے تو الحمد للہ ہم تنظیم سے جڑے ہیں اور
ہمیں تنظیم کی سمع و طاعت کے تعلق سے بھی بہت
کچھ معلوم ہوگا لیکن کچھ پہلوؤں کی یاد دہانی
ضروری ہے جس سے اسلام کے نظام کو سمجھنا اور
اطاعت امیر کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔

سمع و طاعت سے مراد کیا ہے؟

اسلام میں سمع و طاعت سے یہ مراد ہے کہ ایک بندہ مومن اپنے امیر، اپنے رہنما اور اپنی تنظیم کے ذمہ دار کی بات کو سننے اور اس کی اطاعت میں یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ کو اس طرح دے دے جس طرح اللہ کے رسول کا معاملہ اور صحابہ کا معاملہ تھا۔ البتہ امیر کا حکم کسی معصیت اور اللہ و رسول کی نافرمانی کا نہ ہو۔ یہ طاعت و فرمانبرداری کسی فوجی کمانڈر کے آرڈر اور اس کے حکم کی تعمیل کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور محبت کی عین ترجمانی ہے۔

نبیؐ نے فرمایا: جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی اطاعت اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ گویا اس طاعت و فرمانبرداری کی حیثیت اللہ کی اطاعت اور بندگی ہے۔

اسلام ایک ایسا نظام سمع و طاعت کو قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اخلاص و للہیت ہو اور صرف اللہ کی مرضی کے حصول کے لیے آدمی اپنے ذمہ دار کی بات کو تسلیم کرے۔ عین ممکن ہے کہ کسی کو ذمہ دار کے فیصلے سے اتفاق نہ ہو لیکن جب حکم صادر ہو جائے تو اس کی تعمیل کو وہ اپنا فرض سمجھے۔ اگر وہ اس کی تعمیل میں کوتاہی کرتا ہے تو اسلامی نظام سمع و طاعت کی خلاف ورزی کرتا ہے اور وہ عند اللہ اس نافرمانی کے لیے جواب دہ ہوگا۔ سمع و طاعت کا یہ تصور بہت عظیم اور بلند ہے۔ اسلام اسی تصور کو اپنے ماننے والوں میں جاگزیں کرنا

چاہتا ہے جس طرح رسولؐ کے زمانے میں

تربیت یافتہ اصحاب کا معاملہ تھا۔ اس عظیم تصور کے ساتھ کام کرنے والے چاہے وہ فوج کے سپاہی ہوں یا کسی ادارہ و تنظیم کے ارکان و کارکنان، نہایت ذمہ داری کے ساتھ اپنے نظم و تنظیم کو چلاتے ہیں۔ یہی اپنے امیر کے ساتھ صلح و خیرخواہی کا تقاضہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نبیؐ نے اسی تصور سمع و طاعت کی بنیاد پر ملت کی تربیت اور تنظیم کی اور ایک عظیم الشان امت کو دنیا کے سامنے لاکھڑا کیا۔ اس امت نے دنیا میں ایک غیر معمولی انقلاب برپا کیا۔

تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح مکہ ایک بت پرستی کا گڑھ تھا اور پھر کس طرح اللہ کے رسولؐ نے ایک الہ کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ وہ اصحاب جنہوں نے نبیؐ کی دعوت کو صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ آپؐ کی اطاعت و فرمانبرداری میں اپنی جانیں کھپا دیں، اسی بنا پر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ:

”میرے صحابہ تاروں کے مانند ہیں اگر تم ان میں سے کسی کی بھی پیروی کرو گے تو فلاح پا جاؤ گے۔“

اس گروہ نے کفر و شرک اور باطل افکار و خیالات کو شکست فاش دی۔ اہل ایمان کے اسی گروہ نے سمع و طاعت کے اسی تصور کو سامنے رکھ کر بڑے بڑے معرکے سر کیے اور کبھی تعداد کی قلت و کمزرت کو اہمیت نہیں دی۔ اس نظام سمع و طاعت نے انہیں بنیان مرصوص بنا دیا اور قرآن مجید کی اس آیت کا عملی نمونہ سامنے آیا کہ:

”كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً“

يَا ذُنَّ اللّٰهَ

”کتنے ہی چھوٹے گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آ گئے“

سمع و طاعت کے اس تصور پر مبنی فوجوں نے ایسی مثالیں قائم کیں جن کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اسلامی فوج کا ایک سپاہی فاتح کی حیثیت سے دشمن کے ملک میں داخل ہو رہا ہے لیکن وہ نہ کسی خاتون کو بری نگاہوں سے دیکھتا ہے اور نہ کسی بزرگ، بچے اور نہتے شہری پر حملہ کر رہا ہے نہ وہ فصلوں اور کھیتوں کو آگ لگا رہا ہے اور نہ تعمیرات و مصنوعات کو تباہ و برباد کر رہا ہے، حالانکہ اسے اس بات کا پورا موقع ملا کہ وہ جو چاہے کر لے لیکن وہ اپنے جذبہ سمع و طاعت اور احکام نظم و ضبط کا پابند نظر آتا ہے۔ کسری کا تاج اس کے قبضے میں آیا، وہ چاہتا تو اسے خاموشی کے ساتھ رکھ سکتا تھا، کوئی دیکھنے والا نہیں تھا لیکن اس نے اسے اپنے کمانڈر کے حوالے کر دیا اور اپنا نام تک کمانڈر کو نہیں بتایا۔ یہ اسلامی دستہ حضرت سعد بن وقاصؓ کی قیادت میں گیا تھا۔ حضرت سعد بن وقاصؓ اس اسلامی لشکر کے کمانڈر تھے، ان کے قدموں میں لاکر اس شخص نے وہ تاج رکھ دیا۔ یہ شخص اللہ کے رسولؐ کے جانشینوں میں سے تھے، وہ چاہتے تو تاج رکھ لیتے لیکن اللہ کے رسولؐ کی تعلیم و تربیت تھی کہ کسی کا مال ہو یا مال غنیمت اس میں سے ایک تیکا کے برابر بھی چیز لینا حرام ہے۔

آج بھی تنظیموں کو ایسے کارکن اور داعیان حق مطلوب ہیں جو سمع و طاعت کا یہ نمونہ پیش کریں۔ جو

جماعت کتاب وسنت کے مطابق کام کر رہی ہے اس میں ایسے ہی نظام سمع و طاعت کی ضرورت ہے۔

سمع و طاعت کا مقصد کیا ہے؟

اسلام میں سمع و طاعت کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو اسلام کے بنیادی مقاصد، توحید، رسالت اور آخرت کی بنیاد پر اپنی زندگیاں استوار کریں۔ اسلامی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوں، محبت و خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گزرے اور وہ ایک منظم جماعت بن کر باطل کی طاقت کا مقابلہ کریں۔ اسلامی نظم و ضبط کے پابند ہوں اور سیدہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ دنیا کے انسانوں کے سامنے حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں۔ اپنے قول و عمل سے شہادت حق کی ذمہ داری ادا کریں۔ دنیا کے انسانوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔ عملاً اللہ کے احکام اور اس کے آخری رسول محمدؐ کی سنتوں کے مطابق زمین پر اللہ کے احکام کو جاری کریں اور اللہ کی زمین پر دین حق کو قائم کریں۔

یہ اسلام کا نظام سمع و طاعت ہی ہے کہ وہ مخصوص گروہ کی نہ بیجا حمایت کرتا ہے اور نہ جاہلانہ انداز سے کسی گروہ کی مخالفت کرتا ہے۔ اب واضح طور پر نظام سمع و طاعت کے اجزائے ترکیبی کیا ہے اس کو جان لینا چاہیے۔ (۱) ایمان (۲) تقویٰ (۳) اسلام (۴) باہمی اتحاد و اتفاق (۵) اولو الامر کی اطاعت جو اللہ اور رسولؐ کے اطاعت کے ماتحت ہو۔ (۶) اللہ کے دین کے

لیے جان و مال کی قربانی۔ (۷) جماعت سے وابستگی۔ (۸) دین کی اشاعت کے لیے عملی جدوجہد (۹) غلبہ دین کی فکر (۱۰) آخرت کی کامیابی۔

(۱) ایمان: اسلام اپنے نظام سمع و طاعت میں ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ جس فرد کے کردار میں اور جس معاشرے کی تعمیر میں یہ بنیادی سوچ شامل نہ ہو وہ فرد اور وہ معاشرہ صحیح ڈھنگ پر نشو و نما نہیں پاسکتا۔ قرآن مجید میں یا ایہا الذین آمنوا کہہ کر جب بھی اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے پس منظر میں یہی بنیادی مقصد تھا۔

(۲) تقویٰ: یعنی اللہ کا ڈر اور اس کی خشیت غالب رہے۔ سمع و طاعت اگر اللہ کے خوف اور تقویٰ سے معمور ہو تو وہ انسان کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔ تقویٰ کے بغیر کوئی انسان اللہ کی رضا کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(۳) اسلام: یعنی اللہ وحد لاشریک کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری اور اس کا علیٰ ترین اظہار فرض نمازوں کی ادائیگی ہے۔ ایک بندہ اپنے رب کے سامنے دنیا کی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کر کے سمع و طاعت کا حق ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی زندگی کے دیگر معاملات و مسائل میں اللہ کے رسولؐ کی مکمل تابعداری کرتا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے:

”وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ“

”تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم

مسلم ہو۔“

اور دوسری جگہ کہا گیا ہے:

”أَدْخِلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً“

”اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔“

نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ زندگی کے دیگر معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت انتہائی ضروری و لازمی ہے۔

(۴) باہمی اتحاد و اتفاق: قرآن کہتا ہے:

”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“

”سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔“

جب تک اسلامی تنظیم کے ارکان اتحاد و اتفاق اور بنیان موصول کا ثبوت نہیں دیں گے وہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔

(۵) امیر کی اطاعت: اب یہ جو اطاعت ہے وہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے مطابق ہوگی۔ اسلامی تنظیم کا امیر اپنا ہر حکم قرآن و سنت کے مطابق دینے کا مجاز ہے۔ ایسے ہی امیر کی اطاعت کا حکم نبیؐ نے ایک حدیث میں دیا ہے:

”إِن أَمَرَ عَلَيْكُمْ مِنْكُمْ مَجْدَعٌ يَقْضِيكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ فَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا۔“

”اگر کوئی ایسا غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں لیکن وہ اللہ کی کتاب کے مطابق تمہاری سرداری کرتا ہو تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔“

(۶) اللہ کے دین کے لیے جان و مال کی قربانی: سمع و طاعت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ تنظیم کا ہر رکن اللہ کے دین کے لیے جان و مال کی

قربانی پیش کریں اور اتفاق کے تعلق سے ہم اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کیسا کیسا مال لوگ خرچ کیا کرتے تھے اللہ کے دین کی خاطر۔ ایک صحابیہ کے تعلق سے اللہ کے رسولؐ نے جنھیں لمبے ہاتھ والی کہا ہے وہ سب سے پہلے مجھ سے آئے گی۔ یہ نبیؐ کی پیش گوئی کس وجہ سے تھی؟ لمبے ہاتھ والی کہا۔ مطلب یہ تھا کہ جو اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ خیرات کرنے والی تھی۔ تمام ہی امہات المؤمنین صدقہ و خیرات میں آگے تھیں لیکن حضرت زینبؓ ان سب سے زیادہ صدقہ کرتی تھیں اور صدقہ بھی ایسا کہ خود کی محنت سے چمڑے کو پکا کر جو پیسہ کماتیں وہ سب خیرات کر دیتیں۔

(۷) جماعت سے وابستگی: نبیؐ نے فرمایا: ”عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَأَيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةِ“ ”جماعت سے وابستہ رہو اور نا اتفاقی و تفرقہ بازی سے بچو۔“

بھیڑ یا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو اپنے ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے۔

”الشيطان ذئب الانسان“ ”شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔“

(۸) دین کی اشاعت و اقامت کے لیے عملی جدوجہد ہے: قرآن نے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا:

”ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه۔“ ”دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔“

(۹) غلبہ دین کی فکر: تحریک کے ایک داعی کو ہر وقت یہ فکر ہوتی ہے کہ اللہ کے دین کو

غالب کرنے کی جدوجہد کرتا رہے۔

(۱۰) آخرت کی کامیابی کی فکر: اسلام کا نظام سمع و طاعت اپنے ماننے والوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ آخرت کی کامیابی کو اپنا آخری محور بنالیں۔ سمع و طاعت میں امیر و مامور کی ذمہ داریاں اسلامی نظام سمع و طاعت کے تحت جو اجتماعیت وجود میں آتی ہے اس میں اجتماعیت کے دوستوں (امیر و مامور) غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ دونوں کی ذمہ داریاں بہت اہم ہیں۔ جب یہ دونوں عمل کے میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اپنے فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں تو پھر وہ اجتماعیت وجود میں آتی ہے جس کا نام اسلامی اجتماعیت ہے۔

امیر کے تعلق سے اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا:

”يَسُرُّوْا وَلَا تَعْسُرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعْصِرُوْا“ (مسلم)

”آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو، بشارت دو اور نفرت نہ دلاؤ۔“

اور مامور کے تعلق سے نبی کریمؐ نے فرمایا:

”انما امرکم بخمس اللہ امرنی بہن السمع والطاعة و الجهاد و الهجرة و الجماعة“

”میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ جماعت کا، سمع (احکام سننے) کا، اطاعت (احکام ماننے) کا، ہجرت کا اور اللہ کے راستے میں جہاد کا۔“

نظام سمع و طاعت کی مثالیں:

(۱) اسلامی نظام سمع و طاعت کی مثالیں عہد

نبویؐ میں جنگ تبوک کے موقع پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ تین مسلمان (۱) حضرت کعب بن مالکؓ (۲) حضرت بلالؓ بن امیہ (۳) حضرت مرارہؓ بن ربيع، جو مومن تھے اور بڑی بڑی قربانیاں بھی دے چکے تھے۔ آخر الذکر دو صحابہ تو بدر میں بھی شریک تھے اور پہلے صحابی غزوہ بدر کے علاوہ ہر غزوے میں شریک تھے۔ یہ حضرات سمع و طاعت میں کوتاہی کی وجہ سے جنگ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ چنانچہ ۵۰ دنوں تک ان تینوں کا شوش بائیکاٹ ہوا۔ اللہ کے نبیؐ کو بڑا غم تھا لیکن نظم کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے یہ سزا ان پر نافذ ہوئی۔ ۵۰ دن بعد اللہ کی جانب سے ان کی معافی کا اعلان کیا گیا۔

(۲) امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرت خالد بن ولیدؓ بڑے معر کے سر کر رہے تھے۔ جنگ قادسیہ میں آپؓ سپہ سالار تھے لیکن حضرت عمرؓ کو ان کے متعلق کوئی ایسی شکایات پہنچیں جس پر آپؓ نے ان کو معزول کر دیا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو ان کی جگہ کمانڈر بنادیا۔ جنگ کے دوران ہی خلیفۃ المسلمین کا قاصد محاذ جنگ پر پہنچا اور خلیفہ کا حکم حضرت خالد بن ولید کو سنایا کہ آپؓ معزول کیے جاتے ہیں، ابوعبیدہ بن جراح کو آپؓ کمان دے دیجئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اتنی بڑی ذمہ داری سے بھکدوش ہو گئے اور جنگ کی کمان حضرت ابوعبیدہ کے حوالے کر دی۔ اللہ اکبر سمع و طاعت کی کیفیت دیکھیے۔

تربیت رسولؐ کی اور تعلیمات رسولؐ کی اسلام کے ایک عظیم سپہ سالار نے اپنے امیر کے حکم کی

تعمیل میں ایک لمحے کی دیر نہیں کی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ وہ کمانڈر ہیں جن کی قیادت میں بہت سی جنگیں ہوئیں لیکن اس کا ذرا بھی احساس نہ ہوا کہ میں اتنا بڑا کمانڈر ہوں پھر بھی مجھے معزول کیا جا رہا ہے۔ اسلام کا نظام سمع و طاعت ایک مکمل ضابطہ ہے۔ اس ضابطے کے مطابق جن افراد اور جن جماعتوں نے اپنی کارکردگی کو منظم کیا ہے انھوں نے تاریخ میں امنٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ مسلمانوں کی ہر تنظیم کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و سنت کو بنیاد بنا کر اپنے کام کا نقشہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسلام کے نظام سمع و طاعت کے خیر و برکات سے امت کو فیض یاب فرمائے اور ہماری تنظیم کے تمام ارکان و کارکنان کو اسلام کے نظام سمع و طاعت کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امیر جماعت کی ذمہ داری:

قال رسول اللہ ﷺ الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ و الامام الذی

علی الناس راع و هو مسئول عن رعیتہ (بخاری)

”رسولؐ نے فرمایا: تم میں ہر شخص محافظ اور نگران ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جو ان کی نگرانی میں ہیں، پس امیر جو لوگوں کا نگران ہے اس سے اس کے زیر نگران لوگوں کی بابت پوچھ گچھ ہوگی۔“

مامورین کی ذمہ داریاں:

”قال رسول اللہ ﷺ : السمع و الطاعة علی المرء المسلم فیما احب و کرہ ما لم یومز بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعة۔“ (بخاری، مسلم)

”رسول ﷺ نے فرمایا: امیر جماعت کی بات غور سے سنو اور اسے بجالانا مسلمان کے لیے ضروری ہے، چاہے وہ حکم اپنی طبیعت کے لیے خوشگوار ہو یا ناگوار، یہ شرط ہے کہ وہ حکم معصیت نہ ہو اور اگر وہ حکم خلاف شرع ہو تو نہ سنے نہ مانے۔“

عن تمیم الدارمی ان النبی قال :

الدين النصيحة ثلاثا قلنا لمن؟ قال لله و لرسوله و لكتابه و لأئمة المسلمين و عاقتهم۔“ (مسلم)

”حضرت تمیم داری کا بیان ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: دین نام ہے وفاداری اور خیر خواہی کا۔ یہ بات آپؐ نے تین بار دہرائی۔ ہم نے پوچھا: کس سے وفاداری اور خیر خواہی؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ سے، رسولؐ سے، کتاب سے، مسلمانوں کے اجتماعی سیاسی نظام کے سربراہوں سے اور عام اہل اسلام سے۔“

اللہ سے مخلصانہ وفاداری، مطلب بالکل واضح ہے جسے ہم اللہ پر ایمان کہتے ہیں۔

رسولؐ سے وفاداری: قرآن اور رسولؐ پر ایمان۔ مسلمانوں کے اجتماعی نظام کے سربراہوں کے ساتھ خیر خواہی تو اس کا مطلب محبت کا تعلق ہو۔ اگر وہ حکم دیں تو وفادارانہ اطاعت ہونی چاہیے اور دعوت و تنظیم کے امور میں خوش دلی کے ساتھ ہاتھ بٹانا چاہیے۔

●●●

(جاہلی سماجوں کا منکر اعظم)

جاہلی سماجوں میں، جو شریعت الہی کو اپنے معاملات میں حکم تسلیم نہیں کرتے، سب سے زیادہ اہم منکر، جس سے سارے منکرات پیدا ہوتے ہیں، زندگی میں اللہ کی شریعت نظر انداز کر کے اور اسے حکم نہ مان کر اللہ کی الوہیت کا انکار کرنا ہے، اس لیے جزوی و فردی منکرات کے پیچھے پڑنے کے بجائے اس بنیادی اور اصل الاصول منکر کے استیصال کی طرف متوجہ ہونا چاہیے کیونکہ تمام منکرات اسی کی فرع اور اسی سے پھوٹنے والے ہیں۔ اس لیے جزوی منکرات کی مخالفت و مزاحمت میں نیک افراد کا اپنی کوششوں کو صرف کرنا بے سود ہے، کیونکہ یہ سب منکرات اللہ کے خلاف جرات، اپنے لیے خدائی کی خصوصیات کے دعوے اور زندگی میں خدائی شریعت کو نظر انداز کر کے خدائے تعالیٰ کی الوہیت کے انکار کے بنیادی فکر کے مقتضیات اور نتائج بد ہیں۔

(سید قطب شہید)

●●●

پاک افغان سرحد پر کشیدگی کا شاخسانہ

ڈاکٹر محمد اقبال غلیل

نومبر ۱۸۹۳ء میں ہندوستان پر قابض برطانوی استعمار کے نمائندے وزیر امور خارجہ مارٹینر ڈیورنڈ اور امیر افغانستان عبدالرحمن خان کے درمیان تین ماہ سے جاری خفیہ مذاکرات کے بعد دونوں حکومتوں کے درمیان ایک مستقل معاہدہ ہوا۔ جس میں ہندوستان اور افغانستان کے مابین شمال مغربی سرحد کا تعین ہوا۔ ۲ ہزار ۶ سو ۴۰ کلومیٹر طویل اس سرحد کو خط ڈیورنڈ (Duran Line) کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق:

واخان کافرستان کا کچھ حصہ نورستان، اسمار، موہمند لال پورہ اور وزیرستان کا کچھ علاقہ افغانستان کا حصہ قرار پایا۔ افغانستان: اتانیر، چمن، نوچغانی، بقیہ وزیرستان، بلند خیل، کرم، باجوڑ، سوات، دیر، چلاس اور چترال پر اپنے دعوے سے معاہدے کے مطابق دستبردار ہو گیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان برطانیہ سے آزاد ہوا تو دیگر تمام معاہدوں کے ساتھ یہ معاہدہ بھی برقرار رہا لیکن بعد میں افغان حاکم ظاہر شاہ کے دور میں کابل کی حکومت نے خط ڈیورنڈ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور دعویٰ کیا کہ

دریائے انک تک کا علاقہ، افغانستان کا حصہ ہے۔ اسی بنیاد پر حکومت افغانستان نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی تھی اور بعد میں ان علاقوں کو پختون آبادی کی بنیاد پر 'پختونستان' قرار دے کر اس کی آزادی کا مطالبہ کرتے رہے اور پاکستان میں مقیم قوم پرست حلقے بھی ان کے ہمنوا رہے۔ اس کے بعد کمیونسٹ حکمرانوں اور دیگر ادوار میں بھی یہ معاہدہ برقرار رہا لیکن افغانستان کی جانب سے حل طلب ہے، جب کہ پاکستان اور تمام بین الاقوامی اداروں نے اس کو پاک افغان سرحد کے طور پر قبول کیا ہے۔

یہ پس منظر بیان کرنا اس لیے ضروری ہے کہ جب بھی پاک افغان سرحد پر تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تو افغانوں کے اس ذہنی پس منظر کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ جب ۲۰۲۱ء میں امارت اسلامی افغانستان بحال ہوئی تو بجا طور پر پاکستانی عوام نے ان سے کئی توقعات وابستہ کیں۔ اس سے پہلے کے دور حکومت میں (۱۹۹۶ء-۲۰۰۱ء) طالبان اور پاکستان کے مابین نسبتاً خوش گوار

تعلقات کار تھے۔ پاکستان نے ان کی حکومت کو رسمی طور پر تسلیم بھی کیا تھا، لیکن سرحد کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں کی گئی تھی۔ آج، اس وقت بھی افغانستان میں طالبان کی عبوری حکومت قائم ہے لیکن اس کو پاکستان سمیت کسی بھی ملک نے نہیں تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس لیے ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے طور پر اس متنازعہ فیہ مسئلے کو حل کریں گے، ممکن نہیں۔ ابھی باڑ (Fence) لگانے کے مسئلے پر چمن روڈ پر جو افسوس ناک واقعات پیش آئے ہیں وہ اسی مسئلے کا شاخسانہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی افغانستان اور پاکستان کے درمیان جو تاریخی گزرگاہیں ہیں ان پر شہریوں کی آمدورفت کے حوالے سے کئی مسائل ہیں جس کی بارہا نشاندہی کی جا چکی ہے، لیکن پاکستانی حکومت نے اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کی ہیں۔ بین الاقوامی سرحد پر آمدورفت کے لیے جو معیاری سہولتیں فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، وہ بھی پوری نہیں کی ہیں۔ رشوت دے کر پار کرنے کا سلسلہ جاری ہے جس کی وجہ سے عملے کے درمیان تلخی

بھی تنازعات کا باعث بنتی ہے۔

لیکن پاکستان کے عوام کے لیے زیادہ اہم اور سنگین مسئلہ ملک میں 'تحریک طالبان پاکستان' (TTP) کی روز افزوں دہشت گردی ہے، ان کا خاص ہدف پولیس کے اہل کار ہیں، ان کی چیک پوسٹوں پر متعین سپاہیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، جب کہ پاکستان کی مسلح افواج کی گاڑیوں کو بھی ریموٹ کنٹرول بموں سے اڑایا گیا ہے۔

صرف ۲۰۲۲ء میں تخریب کاری کے ۳۲۶ واقعات ہو چکے ہیں، جن میں ۳۵۲ افراد جاں بحق ہو چکے ہیں۔ ان میں ۶۴ پولیس اہل کار، ۵۰ فوج کے جوان اور ۲۲۴ عام شہری شامل ہیں۔ ٹی ٹی پی نے ۲۰۲۰ء میں جس سیز فائر کا اعلان کیا تھا، اس کو ختم کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا ہے اور مذاکرات کا عمل بھی ختم ہو چکا ہے۔ بد قسمتی سے ان تخریبی سرگرمیوں کا مرکز صوبہ خیبر پختونخواہ بن چکا ہے۔ خاص طور پر قبائلی اور جنوبی اضلاع میں کارروائیاں عروج پر ہیں۔ گذشتہ ہفتے لکی مروت اور بنوں میں بڑے واقعات ہو چکے ہیں، جن میں پولیس اور 'ان کاؤنٹر ٹیررازم ڈیپارٹمنٹ' (CTD) کی چوکیوں اور مراکز کو نشانہ بنایا اور بنوں میں مرکز تفتیش میں بڑی تعداد میں عسکری و دیگر اداروں کے اہلکاروں کو یرغمال بنایا گیا۔ لیکن کمانڈو ایکشن کے ذریعے یہ کوشش ناکام بنادی گئی۔

بد قسمتی کی بات ہے کہ ان واقعات کی روک تھام کافی الحال کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف مذاکرات کا کوئی سرا بھی حکومت کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ افغان طالبان کی ایما پر حکومت پاکستان اور طالبان تحریک کے درمیان مذاکرات

کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ یہ مذاکرات دراصل پاکستانی فوج اور ٹی ٹی پی کے مابین ہو رہے تھے، جن میں قبائلی عمائدین اور بعض علمائے کرام کو واسطہ بنایا گیا تھا۔ لیکن پاکستانی طالبان کے مطالبوں کو تسلیم کرنا ریاست پاکستان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ ملکی سیاست میں جو دنگل اس وقت چل رہا ہے اس میں سیاسی قیادت اس قابل بھی نہیں ہے کہ وہ افغان امور پر بخیرگی سے غور و فکر کر کے اہم فیصلے کر سکے۔

اس دوران افغانستان میں امارت اسلامی نے ایک چوڑا کا دینے والا فیصلہ کر کے پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ عالمی سطح پر امارت اسلامی افغانستان کو سفارتی طور پر تسلیم نہ کرنے کے غیر منصفانہ رویے پر افغان قیادت کا رد عمل ایک عجیب و غریب اقدام کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ امارت اسلامی کی وزارت اعلیٰ تعلیم کے عبوری وزیر مولا ندا احمد ندیم نے امیر مولا بیت اللہ کی ہدایت پر افغانستان میں بچیوں کی اعلیٰ تعلیم پر پابندی کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ اس سے پہلے ساتویں درجے سے لے کر ۱۲ویں کلاس تک پابندی عائد کی گئی تھی، جس پر اکثر ولایتوں میں عمل درآمد جاری تھا۔ اب تمام سرکاری اور نجی یونیورسٹیوں اور پیشہ دارانہ کالجوں کی گریجویٹ کلاسوں کی طالبات پر بھی تعلیم کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ اس اقدام کی مذمت میں یورپی اور مغربی ممالک اور بین الاقوامی اداروں کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک کی حکومتوں نے بیانات جاری کیے ہیں۔ ہم نے ترجمان (ستمبر ۲۰۲۲ء) میں اس موضوع پر

اسی خدشے کا اظہار کیا تھا اور بعض مغربی ممالک کے سفارت کاروں سے ملاقاتوں میں، ان پر زور دیا تھا کہ وہ افغانستان کو تنہا کرنے کی کوشش ترک کر کے ان کو بین الاقوامی برادری کا حصہ بنائیں تاکہ وہاں کے عوام کو زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر آئیں۔ اب بھی وقت ہے کہ پاکستان سمیت مسلم اور پڑوسی ممالک افغانستان کو تسلیم کر کے افغان عوام کو ریلیف پہنچائیں اور غیر صحت مند اقدامات کو مکالمے کے ذریعے درست سمت دے سکیں۔

●●●

فارم نمبر چار (4) Form

مالک : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا پارٹمنٹ کے سامنے
سجھاش چوک آکولہ۔
پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا پارٹمنٹ کے سامنے
سجھاش چوک آکولہ۔
ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا پارٹمنٹ کے سامنے
سجھاش چوک آکولہ۔
وقفہ اشاعت : ماہانہ
مقام اشاعت : پہلا منزلہ بسیرا پارٹمنٹ کے سامنے
سجھاش چوک آکولہ۔
میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔
دستخط : شیخ نثار شیخ چاند
☀☀☀

فرض آپ کو پکار رہا ہے!

محمد یوسف اصلاحی

ذلت سے نکالا جائے اور اس کو عظمت رفتہ حاصل کرنے کے لیے پھر سے بے تاب کر دیا جائے؟ کبھی آپ نے غور کیا کہ اس بے قدری اور ذلت کی وجہ کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ امت نے اپنا وہ فرض بھلا دیا ہے جس کے لیے خدا نے اس کو پیدا کیا تھا۔ امت مسلمہ عام امتوں کی طرح کوئی خودروامت نہیں ہے۔ اس کو خدا نے ایک خاص منصوبے کے تحت ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ خدا نے اس کی زندگی کا وہی مشن قرار دیا ہے جو اپنے اپنے دور میں خدا کے پیغمبروں کا مشن رہا ہے۔ نبوت کا سلسلہ نبی امی پر ختم ہو گیا۔ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ خدا کے بندوں تک خدا کا دین پہنچانے کا کام اب رہتی دنیا تک اسی امت کو انجام دینا ہے۔ یہ اس کی زندگی کا مقصد ہے، اسی کی خاطر خدا نے اسے ایک امت بن کر رہنے کی تاکید ہے اور اسی فرض کی ادائیگی سے اس کی تقدیر وابستہ ہے۔ خدا کا ارشاد ہے:

”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ“
(آل عمران: ۱۰۴)
”تم کو ایک ایسی امت بن کر رہنا چاہیے جو

ہے، اور جن پر سوسائٹی اعتماد کرتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی مذہبی گروہ ان کے ٹکڑے انسان پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی دنیا میں دوسری عظیم اکثریت ہیں۔ ان کے پاس ہر طرح کے وسائل و ذرائع بھی ہیں۔ ان کے پاس کوئلہ بھی ہے، پٹرول بھی ہے، لوہا بھی ہے، سونا بھی ہے، یہ دولت مند بھی ہیں اور دنیا کے کتنے ہی حصوں میں ان کی اپنی حکومتیں بھی ہیں۔

مگر تلخ سہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مذہبی تقدس اور دولت و حکومت کے باوجود سب سے زیادہ ذلیل و خوار اور بے وزن یہی مسلمان قوم ہے، نہ ان کی اپنی کوئی رائے ہے، نہ کوئی منصوبہ، نہ ان کا کوئی وقار ہے اور نہ کوئی اعتبار۔ انفرادی حیثیت سے ان میں یقیناً لاکھوں ایسے ہیں جن پر انسانیت فخر کر سکتی ہے، لیکن اجتماعیت سے دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔

آپ اسی امت کے ایک فرد ہیں۔ آپ کا مستقبل امت کے مستقبل سے وابستہ ہے۔ کیا آپ کو یہ احساس پریشان کرتا ہے کہ امت کو اس

بے شک آپ پابندی سے نماز پڑھتے ہوں، روزے رکھتے ہوں، زکوٰۃ کا بھی اہتمام کرتے ہیں، استطاعت ہو تو حج کو بھی جاتے ہیں، آپ اسلامی وضع قطع کے بھی پابند ہیں، حلال و حرام کی تمیز میں بھی نہایت حساس ہیں، آپ تقویٰ و طہارت کے لوازم کا بھی التزام کرتے ہیں اور نوافل و اذکار، صدقہ و خیرات کا بھی زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے ہیں، اس لیے کہ آپ کو اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس احساس میں آپ تنہا بھی نہیں ہیں، آپ کی طرح شریعت کے احکام و آداب کی اتباع اور پیروی کرنے والے امت میں ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں، اور اگر میں یہ دعویٰ کروں تو اس کی تردید نہیں کی جاسکتی کہ اپنی عبرت ناک پستی کے باوجود آج بھی مسلمان مذہب کی پیروی اور عبادات سے شغف میں ہر مذہب کے پیروؤں سے آگے ہیں۔ امت مسلمہ میں لاکھوں افراد اب بھی موجود ہیں جن کی زندگیاں قابل رشک حد تک خدا ترسی اور فرض شناسی کا نمونہ ہیں، جن کی سیرت اور کردار آئینے کی طرح صاف ہے، جن کا تقویٰ ہر شعبے سے بالا

خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔“ وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہے۔ انسانی جسم اسی وقت تک کارآمد ہے جب تک اس کے اندر دھڑکنے والا دل موجود ہو۔ اگر یہ دل دھڑکنا بند کر دے تو پھر انسانی جسم، انسانی جسم نہیں ہے مٹی کا ڈھیر ہے۔ اس لیے کہ جسم کو صالح خون پہنچانے والا اور اس کو زندہ رکھنے والا دل ہے۔

خیر سے مراد ہر وہ نیکی اور بھلائی ہے جس کو نوع انسانی نے ہمیشہ نیکی اور بھلائی سمجھا ہے اور خدا کی وحی نے بھی اس کو نیکی اور بھلائی قرار دیا ہے۔ اخیر سے مراد وہ ساری نیکیاں ہیں جن کے مجموعے کا نام دین ہے اور جو ہمیشہ خدا کے پیغمبر خدا کے بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ امت کا کام یہ ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو کسی امتیاز کے بغیر اس دین کی دعوت دے اور اسی سوز اور تڑپ کے ساتھ دعوت کا کام کرے جس طرح خدا کے پیغمبروں نے کیا ہے، اس لیے کہ وہی مشن خدا نے اس امت کے سپرد کیا ہے۔ امت کی زندگی میں دعوت دین کے کام کی

سر بلندی اس کی تقدیر ہے، لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے، دین حق کے کام کا اسے احساس ہی نہ رہے تو وہ زندگی سے محروم ہے۔ اور مردہ ملت بھلا عرت و عظمت کا مقام کیسے پاسکتی ہے۔ خدا کے نزدیک بھی امت کی تمام تراہمیت اسی وقت ہے جب وہ اس منصب کے تقاضے پورے کرے جس پر خدا نے اسے سرفراز فرمایا ہے۔ اگر وہ اس منصب ہی کو فراموش کر دے اور اسے احساس ہی نہ رہے کہ خدا نے مجھے کس کام کے لیے پیدا کیا ہے تو پھر خدا کو اس کی کیا پرواہ کہ کون اسے پیروں میں روند رہا ہے اور کون اسکی عزت سے کھیل رہا ہے۔

●●●

پس تو امت زندہ ہے اور عظمت و عرت اور وقار و

(بقیہ صفحہ ۳۳ کا)

بنائے گا جہاں سے ہمیں گمان بھی نہیں ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔ (سورہ عنکبوت) اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہی اس کو کافی ہے، بے شک اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک پیمائش مقرر کر دی ہے۔ (سورہ طلاق)

بقول علامہ اقبالؒ:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زور بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاهی، علمِ اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک کلمۂ ایمان کی تفسیریں
براہمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محنت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

●●●

کورونا کی تیسری برسی

احمد اسامہ جعفری

آئیے آج سے تین سال قبل کی دنیا میں چلتے ہیں، یعنی سنہ ۲۰۲۰ء کے اوائل میں۔ ہندوستان کی بات کریں تو یہاں ملت اسلامیہ اپنے سر پر چھت کے لئے نہ صرف فکر مند تھی بلکہ عملی جدوجہد بھی کر رہی تھی۔ اس جدوجہد کی سب سے زیادہ خاص بات یہ تھی کہ جس شناخت کی وجہ سے اس ملت کے سر سے چھت جا رہی تھی، اسی شناخت کو اپنی جدوجہد میں قربان کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا گیا۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
اس قوم نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ:

بتان دین و مذہب توڑ کر دیں میں گم ہو جا۔۔۔

خیر صحیح بات یہی ہے کہ کسی قوم کی عظمت و شوکت پہ زوال آنے سے پہلے اس کی قوت و فکر و عمل فنا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورہ عنکبوت میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟“

یہی دراصل وہ مرحلہ ہے جس سے عموماً یہ قوم گھبرانے لگی ہے۔ اسی لئے یہ بات دکھائی دی کہ باوجود یہ کہ اس قوم کی خواتین میدان کار میں بچوں کو لیکر جدوجہد کرتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے اس پورے ”آندولن“ کی بساط ایک جھٹکے میں لپیٹ کے رکھ دی۔ یہ وہی آندولن ہے جس کو دنیا ”ٹائین باغ“ کے نام سے جانتی ہے۔ یہ دراصل وہ موقع تھا جس میں اس ملت کو اللہ کے دین پر ثابت قدم رہ کر اللہ سے مدد مانگنی چاہئے تھی مگر اس کو ”سنویدھان“ اور ”عدالت عظمیٰ“ سے زیادہ امیدیں تھیں۔

اسی کے آخری حصہ میں پوری دنیا میں ایک بہت بڑا آئینک کا دور شروع ہوا۔ اس کا نام تھا ”کورونا“۔ اس کا شکار سب ہوئے۔ پوری دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً جس کسی کا تعلق اوسط طبقہ یا نچلے طبقہ سے تھا وہ اس آئینک کا شکار اس طرح ہوا کہ انتظامیہ کے رویہ سے اس کے ہی پیٹ پر لات پڑی، کوئی بھی لائٹھی چلی تو یہ دیکھ کر چلی کہ سامنے والا ایک عام آدمی ہے۔ حالانکہ ان طبقات کے لوگ قدرتی قہر سے نسبتاً محفوظ رہے۔ شاید یہ اس لئے کہ وہ مصنوعی اور جدید اشیاء پر انحصار کم کرتے تھے۔ دوسری طرف جو اونچے طبقہ کے لوگ تھے ان سے قدرت نے

راست حساب کتاب کیا۔ کیونکہ انتظامیہ تو ان کو بہت کچھ سہولتیں دینے کا ارادہ کئے ہوئے تھی۔ قدرت نے اس طبقہ کے لوگوں کو اتنا کھول کر پیش کر دیا کہ بس کیا کہیے۔ جو طبقہ سماج کے لئے بڑے بڑے دعوے کر رہا تھا اس کا بچہ اپنے باپ کو کندھا دینے کے لئے بھی راضی نہ ہوا۔ اس بیچارگی کے عالم میں اس ملت کا جو حال ہوا وہ بھی کسی سے چھپا نہیں۔ یہ ایک اور موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے وفاداری کا ثبوت دیا جائے تھا مگر یہاں بھی یہ خیال شاز و نادر ہی آیا۔ کسی کی مدد کرنے کے لئے جو نعرہ بلند ہوا وہ بھی اللہ اکبر یا پھر یا رسول اللہ یا پھر نعرہ حیدری نہیں تھا بلکہ انسانیت کا وہی نعرہ تھا جو پوری دنیا لگاتی ہی رہتی ہے۔ حالانکہ اتنا فرق ضرور تھا کہ دنیا نعرہ لگاتی ہے، یہاں کام بھی ہوا۔ البتہ جیسا کہ مولانا اسعد اسراہیلیؒ نے سورۃ العصر کے درس میں کہا تھا:

”اسلام کی دعوت کو علی الاعلان اسلام کی دعوت ہونا چاہئے۔۔۔ اگر ہم بھی وہی بات کہتے رہیں جو ساری دنیا کہہ رہی ہے تو یہ پتا ہی کہاں چلے گا کہ یہ اسلام کی دعوت ہے۔۔۔ یہ تو کھوکھی

آپ کی دعوت۔“

ان سب مواقع پر ”اللہ سے اپنے تعلق“ کا ثبوت دینے کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے بھی دکھایا۔ چنانچہ مسلمانان ہند پر گھیرا مسلسل تنگ ہوتا گیا۔ خود کو رونا دور میں ”کورونا جہاد“ جیسی اصطلاح استعمال ہونی شروع ہوئی۔ ایک عام سبزی بیچنے والے تک کو نہیں بخشا گیا۔ ”برادران وطن“ کے محلوں میں یہ پینر لگ گئے کہ مسلمان کا آنا بند ہے۔ حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی سب سے معتدل جماعت جس کی کوئی نظریاتی اور فکری سوچ نہیں ہے اس کو بھی عتاب کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ ایک ایسی جماعت بن گئی جس سے خونخوار جماعت اور دہشت گرد جماعت کوئی نہیں۔ حد تو یہ ہو گئی کہ بین الاقوامی افراد تک کو نہیں بخشا گیا۔ بلکہ حضرت جی تک نشانے پر آ گئے۔ یہ بھی یاد رہے کہ نہ تو یہ گروہ کوئی شدت پسند گروہ ہی کہلاتا تھا اور نہ ہی اس کے یہاں کوئی ایسی بات تھی جس سے کسی کو دور دور تک بھی خطرہ ہو۔ ان کے کسی بھی کام کی بڑی سے بڑی تاویل کر کے بھی یہ بات نہیں ثابت کی جاسکتی تھی کہ یہ سماج کے لئے خطرہ ہیں۔ اور تو اور اس کے افراد تو خود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہمارا تو کوئی کام ایسا نہیں جس سے کوئی پریشانی آئے۔ لیکن قرآن کریم کی باتیں تو حق ہیں۔ لوگوں کے انجان ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ قرآن کریم نے تو دعویٰ ایمان ہی کو آزمائش کی شرط بنایا تھا۔

اس زمانہ میں کورونا کے متعلق چند سازشی انداز کی تحریریں بھی اس قوم میں بہت گردش پا گئیں۔ قطع نظر اس بحث کے کہ ان تحریروں میں

کتنی سچائی اور حقیقت تھی، یہ بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ ان تحریروں نے ذہنوں اور ارادوں کو مایوس کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ دوسرا نقصان یہ کہ ان تحریروں نے مرض و شفا کے قدرتی قانون کو کسی ملک اور کسی گروہ کا کمال بنا دیا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وطن عزیز کی حد تک مقتدر گروہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اس مرض کے زیر سایہ ضرور سازشیں کر ڈالیں۔ اسی کورونا دور میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے لئے بعض سوچنے کے مواقع بھی دئے۔ سب سے پہلا موقع تو یہ تھا کہ ہر فرد کھانے پینے کا جس قدر محتاج ہوا اس کو اس قدر محتاجوں کی کیفیت کا اندازہ ہوا ہوگا۔ اس تکلیف اور غم کا مشاہدہ کر کے شاید اس کے دل میں محروموں کے لئے نرمی اور ہمدردی پیدا ہو سکتی تھی۔

دوسرا یہ کہ ہر روز اپنی آنکھوں سے اپنے جیسے انسانوں کو جلدی جلدی اس دنیا سے روانہ ہوتے دیکھ کر اس کو یہ احساس ہوا ہوگا کہ اسے بھی آخر جانا ہی ہے اور اس کا سارا مال اور سب کچھ کمائی نہیں رہ جانے والی ہے۔ اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو جلا کر یا قبر میں ڈال کر جب ہم لوٹے ہوں گے تو ہمیں یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ اس امتحان گاہ میں سب لوگ ہمیں اکیلا چھوڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ماں باپ بیوی بچے تک کسی کام نہیں آتے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد باتیں ہمیں سمجھ آ سکتی ہیں اگر ہم غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا:

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں،

تاکہ دیکھتے کہ ان قوموں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گذر چکی ہیں، وہ قومیں ان سے زیادہ قوت والی تھیں اور انہوں نے زمین کو جوتا اور اسے اس زمانہ کے لوگوں سے زیادہ آباد کیا اور ان کے پاس بھی ان کے انبیاء معجزات لے کر آئے تھے، پس ایسا نہ تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا، بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔ (سورہ روم) بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم تبدیلی میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (آل عمران)

خیر اللہ تعالیٰ نے بہت سارے مظاہر دکھائے مثلاً پوری دنیا کے چہروں پر نقاب آگیا۔ بلکہ اس کا اصرار بھی کیا گیا۔ سختیاں ہوئیں۔ شریعت میں چہرہ کا پردہ تو صرف خواتین کے لئے تھا جس پر مردوں کو پریشانی محسوس ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں سے کروادیا۔

دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ وہ لوگ جن کو دقیناوس، پچھڑا، انپڑھ سمجھا جاتا تھا صرف اس لئے کہ انہوں نے اپنا جینا مرنا اسلام کے نام کر دیا تھا، پہاڑوں اور وادیوں میں، جدید دواؤں اور ماسک وغیرہ سے محروم لوگوں کو اللہ نے اپنی قدرت سے اس وبا سے محفوظ رکھا۔ بقول علامہ ”گوگل“ اس وقت تک افغانستان میں کل 7896 جانیں کورونا کی نظر ہوئیں۔ تین سال کا عرصہ اور مسائل کا مسلسل بڑھتا ہوا جھڑپ ہمیں یہ باور کرانے کو کافی ہے کہ اللہ سے دل لگائیں، اللہ پر بھروسہ رکھیں، اسی سے مدد مانگیں، استقامت کے ساتھ اس کے لئے کام کرتے رہیں۔ ان شاء اللہ وہ وہاں سے راستہ

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

حقیقت تقویٰ

ابوالفیض اعظمی

بڑا حصہ مضر ہوتا ہے بلکہ ان میں صحیح اور غلط دونوں ملے جلتے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی روشنی میں اس لفظ کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اپنے ذاتی رجحانات کے جانب داری کے بغیر معلوم کیا جائے کہ تقویٰ کی حقیقت اور اس کے شرائط و خصوصیات کیا ہیں۔“ (ص: ۱۰)

دوسری فصل ”تقویٰ بحیثیت ایک عالم گیر حقیقت کے“ صاحب کتاب اس میں ”تقویٰ آفاق میں، تقویٰ حیوانات میں، تقویٰ انسان میں“ وغیرہ پر گفتگو کے بعد لکھتے ہیں:

”اس تفصیل سے چند باتیں معلوم ہوئیں: پہلی یہ کہ تقویٰ ہی ہر شے کی زندگی اور اس کی ترقی کا محافظ ہے۔

دوسری یہ کہ زندگی کی اصلی شاہراہ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ ہر مرحلے میں زندگی کا ہم رکاب ہے۔ اس کی حیثیت بدرقہ کی ہے جو انسان کو غلط روی اور خطرات کی راہ سے بچا کر منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

تیسری یہ کہ کسی مرحلے میں بھی زندگی کی جدوجہد اور اس کے ارتقائے مادی و اخلاقی میں مزاحم نہیں ہے بلکہ ان مزاحمتوں سے یہ زندگی کی

کچھ رائے رکھتا ہے، بلکہ اپنی رائے کو سب سے افضل بھی جانتا ہے۔ بعض دفعہ اسے حق ثابت کرنے کے لیے بحث و تکرار اور لڑنے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے یہاں کس طرح کا تقویٰ مطلوب ہے۔ یہ تمام چیزیں ہم اسے وقت آسانی سے سمجھ سکیں گے جب ہم قرآن و حدیث کا براہ راست مطالعہ کریں گے۔ لوگوں کی سنی سنائی باتیں یا دین کے چند جزوی احکام پر عمل کر کے یہ تو کوئی متقی ہو سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو ایسے تقویٰ کی ضرورت ہے۔

اس کتابچے میں ”تقویٰ کی حقیقت قرآن کی روشنی میں، تقویٰ بحیثیت ایک عالم گیر حقیقت کے، تقویٰ کا مفہوم قرآن میں، تقویٰ کی حقیقت احادیث کی روشنی میں، تقویٰ کی تعلیم کا طریقہ“ انہی پانچ فصلوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ آخر میں کچھ باتیں ”خلاصہ مباحث“ کے ضمن میں الگ سے شامل ہیں۔ کتاب کے آغاز میں صاحب کتاب نے تقویٰ کے متعلق جو غلط تصورات ایک لمبے عرصے سے ہمارے یہاں رائج ہیں انہیں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ”جو لوگ آج تقویٰ کا لفظ بولتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ سارے مفہام یا ان کا

مولانا امین احسن اصلاحی برصغیر میں تحریک اسلامی کی ایک اہم کڑی مانے جاتے ہیں۔ آپ کا شمار تحریک اسلامی کے صف اول کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ آپ بلند پایہ مفسر، مصنف، انشاء پرداز اور صحافی تھے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے اتنا علامہ حمید الدین فراہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے برصغیر کے عوام و خواص کے لیے قرآن فہمی کو آسان بنایا اور اسے فروغ دینے میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کیا۔ مولانا نے ”حقیقت نماز، حقیقت شرک، حقیقت توحید، حقیقت تقویٰ، تزکیہ نفس، اسلامی ریاست، مبادی تدبیر حدیث، مبادی تدبیر قرآن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، اسلامی ریاست میں فتنی اختلافات کا حل، معاشرہ میں عورت کا مقام، فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں“ وغیرہ کتابوں کے علاوہ ”تدبر قرآن“ کے نام سے ۹ جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی۔

زیر نظر کتابچہ (حقیقت تقویٰ) جس عنوان کے تحت لکھا گیا ہے یہ معاشرے کا ایک ایسا عنوان ہے جس پر عالم، جاہل، عبادت گزار، فاسق و فاجر ہر کوئی اپنے علم و ذہانت کے مطابق کچھ نہ

حفاظت کرتا ہے۔

چوتھی یہ کہ اس کی کوئی خاص ہیئت و صورت نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ جملیت اور فطرت کے اندر جو حدود بڑھنے اور رکنے کے لیے قائم کر دیے گئے ہیں ان کی پوری پاسداری کی جائے۔“ (ص: ۱۶، ۱۷)

آگے موصوف تقویٰ کے جو مفاہیم قرآن میں درج ہیں انہیں اور متقیوں کی صفات کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”قرآن مجید جس چیز کو تقویٰ قرار دیتا ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کرے اور اس ڈر سے کرے کہ آج کی ادنیٰ سے ادنیٰ کوتاہی کا بھی ایک روز اللہ کو حساب دینا ہے اور اس دن نہ کسی کی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی سعی و سفارش کچھ نفع پہنچائے گی۔ صرف آدمی کے نیک اعمال کام آئیں گے اور خدا کی رحمت و عنایت۔“ (ص: ۲۸)

آگے مولانا احادیث میں تقویٰ کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے ”تقویٰ اور مظاہر تقویٰ“ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

”بعض لوگ بعض مظاہر تقویٰ کو عین تقویٰ سمجھ بیٹھے ہیں اور سارا زور انہی چیزوں پر صرف کرتے ہیں۔ مثلاً: ازار کا ٹخنوں سے اونچا ہونا، داڑھی کا لمبا ہونا، لبوں کا ترشا ہونا، پھر اپنے جی سے اس فہرست میں اس کے اور مناسبات بھی جمع کر لیتے ہیں، مثلاً صورت کی خستہ حالی، لباس کی وضع لب و لہجہ کی مصنوعی مسکینی، ملنے جلنے میں اظہار تذلل، اٹھنے بیٹھنے میں نمائش تقویٰ اور قیام و قعود میں اظہار خشیت، ان کا تقویٰ بس انہی

چیزوں سے عبارت ہوتا ہے اور انہی چیزوں کو پیمانہ بنا کر اسی سے وہ دوسروں کو ناپتے ہیں اور جن کے اندر یہ باتیں اپنے معیار کے مطابق نہیں پاتے ان کو حقیر خیال کرنے لگتے ہیں، حالانکہ بسا اوقات ان لوگوں کی زندگیاں جن کو یہ حقیر سمجھتے ہیں حدود الہی کے احترام میں ان سے زیادہ متوازن ہوتی ہے لیکن چون کہ تقویٰ کی بعض اشکال میں یہ ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے اس وجہ سے یہ لوگ ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مولانا آگے لکھتے ہیں:

”یہ تقویٰ جس کا مرکز دل ہو، جو انسان کی زندگی کے تمام اطراف کو روشن کرے، جو ہر شعبہ زندگی میں اس کو اللہ کے حدود کا پابند بنائے، جس میں کامل توافق ہو، کامل اعتدال ہو، جو نہ ایک قدم اللہ کے حدود سے آگے بڑھنے دے نہ ایک قدم اس سے پیچھے ہٹنے پر راضی ہو، جو دل کو مجبور کرے کہ وہی سوچے جو سوچنا چاہیے، آنکھوں کو مجبور کرے کہ وہی دیکھے جو دیکھنا چاہیے، کانوں کی نگرانی کرے کہ وہی سنیں جو سننا چاہیے، زبان کی حفاظت کرے کہ وہی بولے جو حق ہے اور ہاتھ پاؤں کی دیکھ بھال کرے کہ اسی راہ میں اٹھیں جو اللہ نے انسان کے لیے کھولی ہیں..... یہ تقویٰ جس کی تعلیم نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔ یہی تقویٰ ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے کو رونق و جمال بخشتا ہے۔“ (ص: ۴۳، ۴۴)

خلاصہ مباحث میں مولانا موجودہ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہمارے سامنے بھی ایک دنیا ہے جو فتنہ و فحش سے بھری ہوئی ہے۔ جس کے سارے افکار و نظریات یکسر باطل اور اعمال و افعال یکسر نفس

پرستانہ ہیں، خدا پر ایمان تو سرے سے موجود ہی نہیں ہے یا موجود ہے تو اس میں صدمہ ہار خنے ہیں، آخرت کو لوگ یا تو سرے سے مان ہی نہیں رہے ہیں یا مان رہے ہیں تو اس طرح کہ ان کا ماننا نہ ماننا دونوں برابر ہے، اللہ، رسول اور آخرت کا اقرار نہیں بلکہ انکار دین بن چکا ہے اور یہ دین انکار و الحاد اپنی پشت پر نہایت زبردست فلسفے رکھتا ہے۔ اس کی ترویج و اشاعت کے لیے بڑے بڑے کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ نہایت وسیع الاثر پریس ہے اور پھر سب سے بڑھ کر نہایت ہی طاقتور سیاسی اقتدار ہے جو تمام امر و نہی کا مالک تمام وسائل و ذرائع پر متصرف، تمام نفع و ضرر کا خداوند بنا ہوا ہے۔“ (ص: ۶۰، ۶۱)

مکتبہ کے اسلوب سادہ اور سلیس ہے۔ ساتھ ہی صاحب کتاب نے موضوع کا بھرپور حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تقویٰ کی حقیقت کو نہ صرف قرآن و حدیث سے بلکہ عقلی استدلال سے بھی ثابت کیا ہے جس کی وجہ سے آخر تک ایک قاری کی دلچسپی بنی رہتی ہے۔ اس طرح کی کتابیں جس میں قرآن و حدیث کے علاوہ عقلی دلائل کے ساتھ بات کی گئی ہو اور جس میں منطقی اور فلسفیانہ باتوں سے گریز کیا گیا ہو وہ عوام اور خاص طور پر طلبہ و نوجوانوں کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ اس سے اپنی بات مدلل انداز میں ثابت کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے اور معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب (حقیقت تقویٰ) جس کے مصنف مولانا امین احسن اصلاحی ہیں ۶۳ صفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت ۵۵ روپے ہے اور یہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

●●●

انسانی معاشرے میں خواتین کا تحفظ: ایک سنگین مسئلہ

علیہ: نجف

مطابق جہاں ملک کی سب سے زیادہ آبادی والی ریاست اتر پردیش نے 2021 میں سب سے زیادہ 56083 معاملے درج کیے گئے وہیں آسام میں سب سے زیادہ جرائم کی شرح 3.168 دیکھی گئی۔

ان سارے اعداد و شمار کو دیکھتے ہوئے عوام سے سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ اس طرح کے سنگین جرائم انسانی معاشرے میں اس قدر تیزی کے ساتھ پنپ رہے ہیں؟ اس کے جواب میں 65 فیصد رائے دہندگان نے حکومت ہند کو مورد الزام ٹھہرایا۔ بے شک یہ بات صحیح ہے کہ کسی بھی ملک کا لائیو آرڈر اس ملک کے نظم و نسق کو چلانے اور امن و امان کو قائم رکھنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن ہم میں سے کوئی اس پہلو سے قطعی انکار نہیں کر سکتا کہ معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں ہر فرد کا ایک کردار ہوتا ہے، افراد کی تربیت سازی اور ان کے اندر تعمیری و تخلیقی عناصر کی نشوونما کی ذمہ داری اہل خانہ پہ عائد ہوتی ہے اور اس کے بعد تعلیمی ادارے اس میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم بشمول

نے اس کے اعداد و شمار کو ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملک میں خواتین کے خلاف جرائم کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ این سی آر بی کی تازہ رپورٹ کے مطابق 2020 سے 2021 کے درمیان خواتین کے خلاف جرائم کے واقعات میں 15 فیصد کا اضافہ ہوا۔

اعداد و شمار کے مطابق 2021 میں ملک میں خواتین کے خلاف جرائم کے مجموعی طور پر 428278 معاملے درج کیے گئے، جو 2020 میں 371503 تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر ہم گزشتہ پانچ سالوں میں خواتین کے خلاف جرائم کے این سی آر بی اعداد و شمار کو دیکھیں تو 2020 کے لاک ڈاؤن سال کو چھوڑ کر ہر سال خواتین کے خلاف مظالم کے معاملوں میں اضافہ درج کیا گیا ہے۔ خواتین کے خلاف جرائم کی شرح یا فی 1 لاکھ آبادی پر واقعات کی تعداد بھی اسی طرح کے ہیں۔ خواتین کے خلاف جرائم کی شرح 2020 میں 5.56 فیصد سے بڑھ کر 2021 میں 5.64 فیصد ہو گئی۔ جہاں تک مختلف ریاستوں میں خواتین کے خلاف جرائم کی بات ہے، تو این سی آر بی کے اعداد و شمار کے

خواتین کے خلاف زیادتی ایک ایسا موضوع ہے جس کے تئیں ہر کوئی خود کو حساس اور پریشان ثابت کرنے کی کوشش تو ضرور کرتا ہے لیکن ان کے تحفظ کے لئے عملی سطح پہ کوشش کرنے کے لئے اس طرح مستعد نہیں ہوتا جیسے کہ ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین کے خلاف جرائم کی شرح گزرتے وقت کے ساتھ کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ آج سے دس سال پہلے، 16 نومبر 2012 کو نریمیا جو کہ پیرامیڈیکل کی طالبہ تھی، جب وہ درندوں کے ہتھے چڑھی تو پورے ملک میں جس طرح کا رد عمل سامنے آیا تھا یوں لگتا تھا کہ اب اس طرح کے واقعات کو جو سے اکھاڑ کر ہی عوام اور انتظامیہ دم لیں گے لیکن ہر کوئی شاید ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ اس کے بعد کھٹومہ اور ہاتھرس جیسے بے شمار دل دہلا دینے والے حادثات رونما ہوئے جس کی چیمپئن ہر باضمیر انسان نے سنی لیکن افسوس کہ پھر بھی یہ واقعہ آخری ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کی شرح کم ہونے کے بجائے بڑھتی جا رہی ہے۔

خواتین کے خلاف کئے جانے والے مظالم و جرائم کا جائزہ لینے کے بعد نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو

خواتین اپنے گھر کے سبھی افراد کی خواتین کے تئیں برتے جانے والے رویے کی نوے سے سو فیصد ذمہ داری لے سکتے ہیں کہ وہ خواتین کے ساتھ قطعی کوئی زیادتی نہیں کر سکتے؟ میں یہ بات پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ ہم میں سے بیشتر لوگ اس بات کی یقینی ضمانت نہیں دے سکتے۔ ایسے میں میرا سوال یہ ہے کہ اگر ہم ایک محدود دائرے میں لوگوں کو اپنی مثبت فکر سے متاثر نہیں کر سکتے اور ان کے اندر غلط اور صحیح کی تمیز نہیں پیدا کر سکتے تو ہم کیسے 130 کروڑ آبادی کی ذمہ داری کے تئیں غفلت کا ٹھیکرا حکومت کے سر پھوڑ سکتے ہیں؟ مختلف عناصر کے ساتھ تشکیل پانے والے معاشرے کی تعمیری ارتقاء کے لیے ضروری ہے کہ ہر عنصر اپنی ذمہ داری بحسن خوبی نبھائے، بے شک حکومت کے اوپر یہ ذمہ داری فرض عین کی طرح واجب ہوتی ہے کہ وہ ملک کے تمام شہریوں کے جان و مال اور عزت آبرو کے تحفظ کو یقینی بنائے اور مجرمین کے خلاف سخت کارروائی کرنے سے پس و پیش نہ کرے جس کا کہ ہم سب مطالبہ کرتے رہتے ہیں لیکن اس مطالبے کے ساتھ ہم اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہو سکتے کیوں کہ یہ سچ ہے کہ ایک صحتمند اور مستحکم معاشرے کا قیام عوام کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں، حکومت کو چاہئے کہ وہ لا اینڈ آرڈر کے ساتھ ملک میں اعلیٰ تعلیمی نظام کو فروغ دے، عوام کے تحفظ کو ہر حال میں اپنے سیاسی مفاد پر فوقیت دے۔ اس سے غفلت انسانی معاشرے کو جنگل راج میں تبدیل کر سکتا ہے جو کہ عوام کسی بھی طرح قبول

نہیں کر سکتے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ماحول کو بدتر بننے دیکھنے کے بجائے حکمت کی راہ اپنا کر حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ اس وقت میں ان چند عناصر کو زیر قلم لانے کی کوشش کر رہی ہوں جو خواتین کے خلاف جرائم کو بڑھاوا دینے میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں اور جس کا تعلق عام عوامی زندگیوں سے ہے۔ جو لوگ زیادتی کرتے ہیں وہ ہمارے ہی انسانی معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی شخصیت کے تربیتی خلا کی ذمہ داری بھی اسی معاشرے پر عائد ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں بچوں کی مثبت تعمیری تربیت کے حوالے سے کوئی خاص بیداری نہیں پائی جاتی۔ بچے کے افکار و خیال کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی۔ مائیں اپنے معمولات کو سراسر انجام دینے کے لئے چاہتی ہیں کہ بچے بس کسی بھی طرح چپ رہیں، انھیں تنگ نہ کریں، اس کے لئے وہ انھیں موبائل فون، ٹیلی ویژن کے سامنے گھنٹوں بٹھانے پر کوئی تامل محسوس نہیں کرتیں۔ اسکرین کی دنیا جس کی وسعت زمین و آسمان کی وسعت کے جیسی ہے، جو سحر کی دنیا کی طرح پرکشش ہوتی ہے، بچے کے ذہن کو اس طرح قید کر لیتی ہے کہ وہ اس کی اولین ضرورت بن جاتی ہے۔ پھر جب بچے تھوڑا بڑے ہو جاتے ہیں تو مائیں چاہتی ہیں کہ اب بچے فون وغیرہ چھوڑ کر ان کے کہنے پر کتابوں کی دنیا میں کھو جائیں، وہ وہی کچھ کریں جو ہم ان سے کہیں۔ کیا ایسی سوچ رکھنا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف نہیں؟ بچے بھی بچے ہوتے ہیں، انھیں بھی معلوم ہوتا ہے

کہ اپنے والدین کو کیسے زیر کرنا ہے اور والدین جذباتی ہتھکنڈوں سے شکست کھا کر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے میں بچے سوشل میڈیا اور غلط دوستوں کی صحبت میں رہ کر اپنے منتشر جذبات کی تسکین کے لئے کسی بھی حد تک جانے میں عار نہیں محسوس کرتے۔ ماں باپ اگر چاہتے ہیں کہ ان کے بچے معاشرے کے مفید اور منفی عناصر سے محفوظ رہیں تو پہلے وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ دوسروں کے بچے آپ کے بچوں کے شر سے محفوظ رہیں اور یہ کام تربیت سازی کے بغیر ممکن نہیں۔ ہمیں دنیا کے ساتھ آخرت کی زندگی کی حقیقت سے بچوں کو متعارف کروانا ہوگا کیوں کہ آپ ہمیشہ اپنے بچوں کے ساتھ نہیں ہو سکتے لیکن اللہ کا تصور ہمیشہ اس کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ہماری بدتمتی یہ ہے کہ ہمارے یہاں خدا کا تصور بہت غلط انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ نعوذ باللہ خدا محض قہار و جبار ہی ہے جو ہر وقت اپنے بندوں پر نظریں جمائے ان کو سزا دینے کا موقع ڈھونڈ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوخیز اذہان اس سے متنفر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ خدا کا تصور اور اس کا خیال آپ کے بچوں کے اندر ہو تو آپ کو چاہیے کہ آپ ان کو خدا کی محبت، اس کی رحمت و شفقت اور عفو و درگزر کی صفات سے بھی متعارف کروائیں۔ یہ جرائم کو روکنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خواتین کے ساتھ جرائم کی روک تھام کے ضمن میں تربیت سازی کو سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہوں۔ کیوں کہ یہ عادتیں جو ہم بچوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتے

ہیں یہی عادتیں بعد میں انہیں سنبھالتی ہیں اور ان کے اعمال و اقدام کا محرک بنتی ہیں۔ اس پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہی معاشرہ، یہاں تک کہ خاندانی نظام بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ ہم منافق لوگ ہیں، ہمارے گھر کے افراد اگر دوسروں کے ساتھ زیادتی کریں تو ہم اسے بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں لیکن اگر ہمارے ساتھ زیادتی ہو تو مجرم کو تختہ دار تک پہنچانے کے لئے بضد ہوتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ جس نے ہمارے اپنوں کے ساتھ زیادتی کی ہے ان کا بھی ہماری طرح ایک خاندان ہے۔ اس رویے کو فروغ دینے کی وجہ بھی یہ معاشرہ ہے۔ اگر کوئی خاندان ہمت کر کے اپنوں کے خلاف کھڑا ہوتا ہے تو زمانہ اسے لعن طعن کر کے زندہ درگور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس

خاندان کے ساتھ ہمدردی کرنے کے بجائے اس سے نئے تعلق بنانے سے گریز کرتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ ایسے جرائم کے ذمہ دار کیا ہم نہیں؟ کیا ہم منافق نہیں؟ بے شک اس معاشرے میں انسانیت اب بھی زندہ ہے۔ کچھ خاندان ایسے ہوں گے جو اس طرح کی منافقت سے پاک ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہی ہوگی۔

خواتین کے ساتھ جرائم کی ایک بڑی وجہ سوشل میڈیا بھی ہے جس میں ہمارے ہی انسانی معاشرے کے لوگ فحش مواد ڈال کر ان بیمار ذہنیت لوگوں کو غدا اور شہہ فراہم کرتے ہیں۔ جب ان کے اذہان مسلسل ایسی ہی سوچوں کے گرد گھومیں گے تو بے شک اس بھوک کی تسکین کے لئے چند سال یا چند مہینے کے بچوں کو نشانہ بنانے سے کیوں چوکیں گے؟ جیسے شرابی کو شراب چاہئے اس کے لئے پیسہ نہ دینے والی ماں بھی کسی ڈائن سے کم نہیں ہوتی کیوں کہ اس کے لئے اس وقت سب سے اہم اس کا نشہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ خواتین اور کم عمر بچیوں کے ساتھ زیادتی نہ ہو تو ہمیں اس پلیٹ فارم کو مثبت آگاہی کے لئے استعمال کرنا ہوگا۔

بے شک مفید عناصر اپنے کام سے آسانی پیچھے نہیں ہٹنے والے لیکن ان کی تعداد امن پسند عوام سے کم ہی ہوگی تو ہم اکثریتی امن پسند لوگ کیوں کر ان کے آگے ہتھیار ڈالیں؟ انسان اور انسانیت کو تحفظ فراہم کرنا ہم سب کی یکساں ذمہ داری ہے جسے ہمیں قبول کرنا ہوگا۔ یہ موضوع ایک تفصیل طلب موضوع ہے جس کو ایک مختصر کالم میں سمیٹنا مشکل ہے۔ ●●●

(یہود کی خصلت بد)

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہود کے دل میں اسی دن سے عداوت گھر گئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اوس اور خزرج کو اسلام کی بنیاد پر مجتمع و متحد کر دیا اور یہود کے لیے ان کی صفوں میں گھسنے اور عمل دخل جمانے کا کوئی موقع نہ رہا، نیز امت مسلمہ کی قیادت متعین و مستحکم ہوگئی، اللہ کے رسول، حضرت محمدؐ کے ہاتھ میں اس کی قیادت آگئی اور یہود کے لیے امت پر غلبہ و تسلط حاصل کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ یہود نے اسلام کے خلاف ہر طرح کے اسلحہ اور ذرائع و وسائل کو استعمال کیا، یہ اسلحہ اور ذرائع و وسائل کید و مکر کی یہودی ذہانت کا نتیجہ تھے، جو بابل کے زمانہ اسیری، مصر کی غلامی کے دور اور رومی حکومت میں یہودی ذلت و خواری کے عہد میں انہیں حاصل ہوئے تھے۔ حالانکہ یہودی پوری تاریخ میں جب تمام اقوام و ملل نے یہود پر دائرہ حیات تنگ کر دیا تو اسلام ہی نے ان کو ہر طرح کی سہولیات فراہم کیں، لیکن یہود نے اسلام کے اس احسان کا بدلہ اول دن سے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بدترین سازشوں اور تباہ کن کید و مکر کی شکل میں دیا۔

(سید قطب شہید)

●●●

نکی

غضنفر ایوبی

کرنے کیلئے ہمیشہ ان کے زبانی بندوق میں گولیوں کی طرح بھری ہوتی ہے، وہ کہاں ہے؟ لیکن میرا سارا تعجب واضطراب ختم ہو گیا جب میں نے اس کی وضع قطع پر ایک نظر دوڑائی اور پایا کہ وہ ایک پریکٹسنگ مسلم (دین پر عمل کرنے والا) ہے۔ اس لڑکے نے جس بے غرضی سے اس چھوٹی سی نیکی کو انجام دیا تھا۔ اس کو دیکھنے کیلئے اللہ رب العزت ہی کافی ہے کہ کُل وہ اس چھوٹی سی نیکی کا کتنا بڑا اجر عطا کرتا ہے۔

سبق: دین پر عمل کرنے سے ہی ہماری زندگی میں تبدیلی رونما ہوتی ہے اور جب یہ تبدیلی معاشرے میں اپنا ظہور دکھاتی ہے تب ہماری اس عملی دعوت کے شاہدین اسلام کے شیدائی بن پاتے ہیں۔

ساتھ ہی نیکی کا وہ تصور جو بے لوث خدمت کی طرف ابھارتا ہے اور بلا تفریق مذہب و ملت لوگوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کو فرض قرار دیتا ہے۔ اس تصور کو ہمیں اپنی زندگی میں جاری و ساری کرنے کی ضرورت ہے۔ نوٹ: اس ڈبے میں میرے علاوہ بھی بہت سے غیر مسلم حضرات نے اس واقعہ کو نوٹ کیا تھا۔

●●●

طرف ریل کی فرش پر سوتے ہوئے شخص نے کہا کہ ”میرے پاس ۵ روپے ہے۔ مجھے ۵ کے دے دے بھائی۔“ یہ شخص اپنی معدوری اور حلیے سے ضرورت مند محسوس ہو رہا تھا۔ لڑکے نے اُس شخص کی بات پر فوراً ایک کاغذ کی کٹوری نکالی اور اس میں چنے بھر کر دینے لگا۔ میں غور سے دیکھتے ہوئے یہ منظر اپنے ذہن میں عکس بند کر رہا تھا۔

جب وہ اسے ایک پلاسٹک کے چمچے کے ساتھ چنے کی کٹوری دے کر آگے بڑھنے لگا تو اس وقت لیٹے ہوئے شخص نے اسے پیسے دینے کیلئے اس کی پتلون پکڑ کر کھینچی۔ جسے دیکھ کر اس چنے والے نے بڑے ہی سادہ اور بے غرض انداز میں اس سے کہا کہ ”رہنے دے۔“ اور اسی بے غرضی کے سے انداز میں ریل کے فرش پر پھیلے ہوئے لوگوں کے ہجوم کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں اس کا منہ تکتا رہ گیا کہ آخر ایک ایک روپیہ کیلئے جھگڑا کرنے والے ان ”لڑکوں“ میں اس قدر دردمندی کہاں سے در آئی اور ساتھ ہی میں اس بات پر بھی تعجب کرنے لگا کہ ان کی ”اکھڑپن“ والی خصلت جو پیسے مانگنے پر یادام کم کرنے پر کسی امیر و غریب کا لحاظ کیے بناسب کے سامنے ذلیل

ریل گاڑی کے ہر ڈبے میں بھیر تھی۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دھکامٹکی کر کے اپنے لیے جگہ بنا رہے تھے۔ ہلکی سرد ہوا کھڑکی سے اندر آرہی تھی اور ساتھ ہی باہر کی سیاہ رات نے لوگوں کو معمول کی طرح غنودگی کی طرف دھکیل دیا تھا۔ کچھ لوگ اب بھی ایک کھانا بیچنے والے سے کھانا خریدنے میں مشغول تھے۔ جو صدا لگا رہا تھا کہ ”لینے والا کھائے گا نہیں لینے والا پچھتائے گا۔“

شاید اسی لیے لوگ اس کی طرف بھیڑ کی شکل میں اکٹھا ہو رہے تھے، ورنہ ابھی بہت سے کھانا بیچنے والے یہاں سے خالی ہاتھ رخصت ہوئے تھے۔ کھانا بیچنے والوں کی بہت سی قسمیں تھیں۔ سادہ کھانا، اچھا کھانا، بریانی والا، ویتج، نان ویتج اور سمو سے والا بھی تھا۔ ان ہی تمام کے بیچ جو ریل کے ڈبے میں چیونٹیوں کی طرح ادھر سے ادھر گردش کر رہے تھے ایک چنے والا بھی نمودار ہوا۔ رات کے ۱۰ بجنے آئے تھے اور وہ اب بھی چنے بیچ رہا تھا۔ ہلکا سا نالارنگ، مناسب قد و قامت اور سر پر ایک عدد کپ لگائے وہ اپنی دھن میں مگن تھا۔ ساتھ ہی وہ کہہ رہا تھا ”۱۰ روپے میں مزے دار چنے، ۱۰ روپے میں مزے دار چنے۔“ اسی درمیان اس چنے بیچنے والے کو نیچے کی

بچے اور رمضان المبارک

مرزا اسلم بیگ

والدین کا اپنی اولاد کو اپنے لیے صدقہ جاریہ بنانے کا رمضان سے بہترین موقع اور کیا ہوگا! اس ماہ مبارک میں شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ بچوں کے لیے ان کے والدین ایسی ہستی ہیں، جنہیں شعوری و لاشعوری طور پر وہ اپنا رول ماڈل سمجھتے ہیں اور ہر وہ کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو وہ اپنے والدین کو کرتا دیکھتے ہیں۔ اس لیے والدین وہ کام کریں جو وہ ان سے کروانا چاہتے ہیں اور غیر محسوس انداز میں انہیں اس کا حصہ بنائیے۔ دینی حوالے سے ماہ رمضان گویا بچوں بڑوں ہر ایک کے لیے نیکی، پرہیزگاری اور کردار سازی کا مہینہ ہے۔ ایسے میں خاص طور پر والدین، بچوں کی تربیت اور کردار سازی کے حوالے سے اس مبارک مہینے کی اہمیت کو اجاگر کریں اور پیارے نبی حضرت محمدؐ کی روزے اور رمضان کے حوالے سے ایسی تعلیمات ان کے سامنے رکھیں جن سے اخلاق و کردار کے حوالے سے مثالی سبق ملتا ہو۔

بچوں کو رمضان کی آمد کا احساس دلائیے اور انہیں ان کی عمر کے مطابق اس کے فضائل اور نعمتوں سے آگاہ کیجیے۔ مثال کے طور پر انہیں سمجھائیے کہ اگر آپ عام دنوں میں ایک نیکی کرتے ہیں تو اس کا دس گنا ثواب ملتا ہے، مگر جب آپ رمضان المبارک میں ایک نیکی کریں گے تو اس بابرکت مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کا ثواب ستر گنا بڑھا دیتا ہے۔ بچوں کو اسلامی مہینوں کے نام اور رمضان کی عظمت و اہمیت سے آگاہ کیجیے۔

انہیں رمضان کی اصل روح سے متعارف کرواتے ہوئے اس مبارک مہینے میں دینی اور تاریخی لحاظ سے ہونے والے واقعات سے روشناس کروائیں۔ انہیں بتائیے کہ روزے کا مقصد صرف کھانا پینا چھوڑنا نہیں، بلکہ ان تمام کاموں سے باز رہنا ہے، جو اللہ اور اس کے حبیب، ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ کو ناپسند ہیں۔ جیسے غصہ کرنا، جھوٹ بولنا، بغیبت کرنا، کسی پر تہمت لگانا اور دیگر برائیوں سے اپنے آپ کو بچانا۔ والد محترم کو چاہیے کہ وہ بچوں کو نماز پڑھنے کے لیے اپنے ساتھ مسجد لے کر جائیں۔ والدہ بچوں کو نماز پڑھنے کی ترغیب دیں، انہیں جائے نماز، دوپٹہ یا اسکارف دیں تاکہ ان میں نماز کا شوق پیدا ہو اور انہیں اپنے ساتھ نماز پڑھانے کا اہتمام کریں۔ اس طرح بچے اپنے بچپن ہی سے نماز اور روزے کے عادی بن جائیں گے۔

یاد رکھیے! اولاد آپ کے لیے قبر میں روشنی اور درجات میں بلندی کا سبب بنے گی۔ نیک اولاد ہی والدین کے لیے راحت کا سامان اور صدقہ جاریہ ہے۔ بچوں کو روزہ رکھنے اور کھولنے کی دعایاد کروائیں۔ انہیں درود شریف اور چھوٹی چھوٹی قرآنی سورتیں حفظ کروائیں۔ رمضان کے بابرکت ماہ کے دوران انہیں سونے، جاگنے، سیڑھیاں چڑھنے، اترنے، بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی مسنون دعائیں یاد کروا کر انہیں ان معمولات کی پابندی کا درس دیں۔

یاد رکھیے! بچوں کو بابرکت کاموں کے لیے جتنی بار یاد دہانی کروائیں گے، آپ اتنے ہی ثواب کے حق دار بنیں گے۔ رمضان المبارک میں بچوں کے ساتھ مل کر تلاوت قرآن پاک کا خاص اہتمام کیجیے۔ دن میں کم از کم ایک بار تلاوت کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ بٹھائیے اور وہ جو پارہ پڑھ رہے ہوں ان سے ان کے سبق کی تلاوت کروائیے۔ تلاوت پر اللہ تعالیٰ کے انعام کا تذکرہ کیجئے اور محبت بھرے تعریفی کلمات سے ان کی حوصلہ افزائی کیجئے۔

یاد رکھیے! آپ کی محبت بھری توجہ اور آپ کا وقت بچوں کے لیے سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ بندے کو دیکھ رہا ہوتا ہے، اس لیے تنہائی میں پیدا ہو۔ یہ بات یاد رکھیے کہ بچے آپ کی رعیت ہیں، ان کے بارے میں آپ سے روزِ قیامت باز پرس ہوگی۔ لہذا بچوں کے بچپن ہی سے ان کی تربیت اور کردار سازی کا آغاز کیجیے اور یاد رکھیے! رمضان المبارک تربیت اور کردار سازی کا مہینہ ہے۔ اس سے جہاں بڑے فیض یاب ہوتے ہیں، وہیں بچوں کی تربیت کے لیے بھی یہ ایک مبارک اور بابرکت مہینہ ہے۔

بچوں کو بدرجہ روزہ رکھنے کی عادت ڈلائیے، خصوصاً بڑے بچوں کو جن پر روزے فرض ہونے والے ہوں۔ رمضان میں بچوں سے وقفے وقفے سے، خاص طور پر جمعہ کے دن کا روزہ رکھوائیں۔ بچوں کو اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھنا سکھائیے۔ ان میں اللہ سے حیا کا جذبہ پیدا کیجیے۔ ان میں یہ احساس پیدا کیجیے کہ جہاں کوئی بھی دیکھنے والا نہ ہو وہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنے

بچوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے، اس لیے تنہائی میں پیدا ہو۔ یہ بات یاد رکھیے کہ بچے آپ کی رعیت ہیں، ان کے بارے میں آپ سے روزِ قیامت باز پرس ہوگی۔ لہذا بچوں کے بچپن ہی سے ان کی تربیت اور کردار سازی کا آغاز کیجیے اور یاد رکھیے! رمضان المبارک تربیت اور کردار سازی کا مہینہ ہے۔ اس سے جہاں بڑے فیض یاب ہوتے ہیں، وہیں بچوں کی تربیت کے لیے بھی یہ ایک مبارک اور بابرکت مہینہ ہے۔

●●●

(بقیہ صفحہ ۴۲ کا)

معنی: تدبیر: کسی معاملہ کے سارے پہلوؤں اور اس کے نشیب و فراز اور انجام پر غور کرنا، عاقبت اندیشی۔ تخیل: افکار و خیالات، خیال میں لانا۔ تشریح: تہذیبِ حاضری وجہ سے نوجوانوں کے تدبیر اور تخیل میں ایسی تنزلی آگئی ہے کہ خلوص و لہجہ کے ساتھ کئے گئے کاموں کو مذاق سمجھا جاتا ہے، قربانی و جاثاری کو دکھاو و حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور بزرگوں کی نصیحتوں کو خاطر میں نہیں لایا جاتا ہے۔ مسلم معاشرے کے لئے یہ تغیر و انقلاب بالکل بھی خوش آئند نہیں ہے۔

کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آسماں لیکن
منظر دکشا دکھا گئی ساحر کی چالاک

معنی: ساحر: جادوگر، مراد انگریزی حکومت و تہذیب۔

تشریح: اس تہذیب کے کارندوں نے مغربی تہذیب کو اتنا بنا سنوار کر اور اس کمال چابکدستی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں یہ تہذیب کھب جاتی ہے۔ مسلم نوجوانوں کو دلکشی اب صرف اسی تہذیب میں نظر آتی ہے۔ اس تہذیب کے جادو کے اثر میں نوجوانوں نے ملی روایات کو فراموش کر دیا ہے اور اسلامی شعائر کو ترک کر کے مغربی شعائر کو اپنا لیا ہے۔

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لڑتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی

معنی: رقابت: حریفوں کا ایک دوسرے سے حسد یا مقابلہ۔ ناشکیبائی: بے صبری، بے پیمانی، ہوسناکی، ہوس پرستی، شہوت پرستی۔

تشریح: اقبال کہتے ہیں کہ یہ حیات تازہ (مغربی تہذیب) اپنے ساتھ بہت ساری خباثتیں بھی لے کر آئی ہے۔ تہذیبِ حاضر اعلیٰ انسانی صلاحیتوں اور صفات کے بجائے رذیل اور گھٹیا صفات و کردار کو فروغ دے رہی ہے۔ اس تہذیب نے انسانوں میں انسانیت و اخوت کے بجائے رقابت و حسد کا بیج بو دیا ہے، صبر و استقلال کے بجائے بے صبری و ناشکیبائی کی صفت پیدا کر دی ہے، غیرت و حمیت کے بجائے مادی مفادات کے لئے ضمیر فروشی و خود فروشی کو فروغ دیا ہے، ضبطِ نفس کی جگہ ہوسناکی صفت کو پروان چڑھایا ہے۔ یعنی اس تہذیب نے انسان کو احسن تقویٰ کے اعلیٰ مقام سے گرا کر افسل السافلین کے ارزل مقام تک پہنچا دیا ہے۔

●●●

تہذیبِ حاضر

(تضمین بر شعر فیضی)

یہ نظم 1915ء میں لکھی گئی جبکہ دنیا میں مغربی تہذیب تیزی سے پھیل رہی تھی۔ اس نظم میں علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کے مفاسد اور انکی وجہ سے مسلم نوجوانوں میں پیدا ہونے والی برائیوں اور فتنوں کو آشکار کیا ہے۔ اس نظم میں علامہ نے فیضی کے ایک مشہور شعر (آخری شعر) پر تضمین کی ہے یعنی فیضی کے شعر کو اپنی نظم میں شامل کیا ہے اور اس شعر کو ہی نظم کا مرکزی موضوع بنایا ہے۔ فیضی اکبر بادشاہ کے دور حکومت میں درباری شاعر تھا، فیضی کو کئی زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ اس دور کے شاعروں میں کوئی اس کا ہمسر نہیں تھا، فصیح عربی و فارسی میں اس نے شاعری کی ہے۔ اس کی مشہور تصنیف کا نام ”سوانح الالہام“ ہے۔

حسرت ہے بلا کی بادۂ تہذیبِ حاضر میں

بھڑک اٹھا بھبھو کا بن کے مسلم کا تن خاسی

معنی: بادۂ شراب۔ بھبھو کا: آگ کا شعلہ۔

تشریح: علامہ اقبال کہتے ہیں کہ یہ مادہ پرستانہ مغربی تہذیب دنیا میں عام ہو چکی ہے، اس تہذیب میں اتنی حرارت و جاذبیت ہے کہ مسلم معاشرہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس تہذیب کی گرمی نے اسلامی تہذیب کے علمبردار مسلم معاشرہ کو بھسم کر کے رکھ دیا ہے۔

کیا ذرے کو جگنو، دے کے تابِ مستعار اس نے

کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جلوہ فرما کی

معنی: مستعار: مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا، عارضی۔ آفتابِ جلوہ فرما: چمکتا ہوا سورج، مراد مغربی تہذیب۔

تشریح: اس تہذیب نے انسانوں کو بظاہر اتنی روشن خیالی اور مادی ترقی عطا کر رکھی ہے کہ دیکھنے والوں کو یہی حقیقی ترقی و کامیابی نظر آتی ہے۔ جبکہ حقیقت میں اس تہذیب نے ان سے ان کا جو ہر انسانی و نورانی چھین لیا اور اسکے بدلے میں اس کو ایک مانگی ہوئی عارضی روشنی عطا کر دی ہے۔ کوئی صاحبِ نظر بغور دیکھے تو پتا چلے کہ اس تہذیب نما آفتاب نے انسانی معاشرے میں کیا کیا گل کھلائے ہیں!

نئے اندازِ پائے نوجوانوں کی طبیعت نے

یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی

معنی: رعنائی: حسن و جمال۔ بے باکی: بے خوف، مراد گستاخی۔

تشریح: مغربی تہذیب اپنانے کے نتیجے میں مسلم نوجوانوں کے طرز و طبیعت میں ایک انقلاب برپا ہو گیا ہے، چنانچہ انکی زندگی میں جو مصنوعی رعنائی، فیشن، دین سے بیزار بیداری، دین رحمت چھوڑ کر آزادی کی تلاش اور بے باکی کے نام پر گستاخانہ مزاج نظر آتا ہے یہ سب اس تہذیبِ حاضر کی بدولت ہے۔ یعنی یہ تہذیب معاشرہ کو ترقی نہیں تنزلی کی طرف لے جا رہی ہے، روشنی نہیں ظلمت پھیلا رہی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی

یہ صناعی مگر جھوٹے گلوں کی ریزہ کاری ہے

تغییر آگیا ایسا تدبیر میں، تختیل میں

ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی



HAJ | UMRAH
PASSPORT | VISA
EMIGRATION
AIR TICKET

بر ماہ گروپ
کی روانگی

SUFFAH INTERNATIONAL TOURS

SIDDIQUE TOWER, KHAN ABDUL GAFFAR MARG, TELIPURA, AKOLA (M.S)

KALEEM
+91 9823240030

UMAIR
+91 8888269229

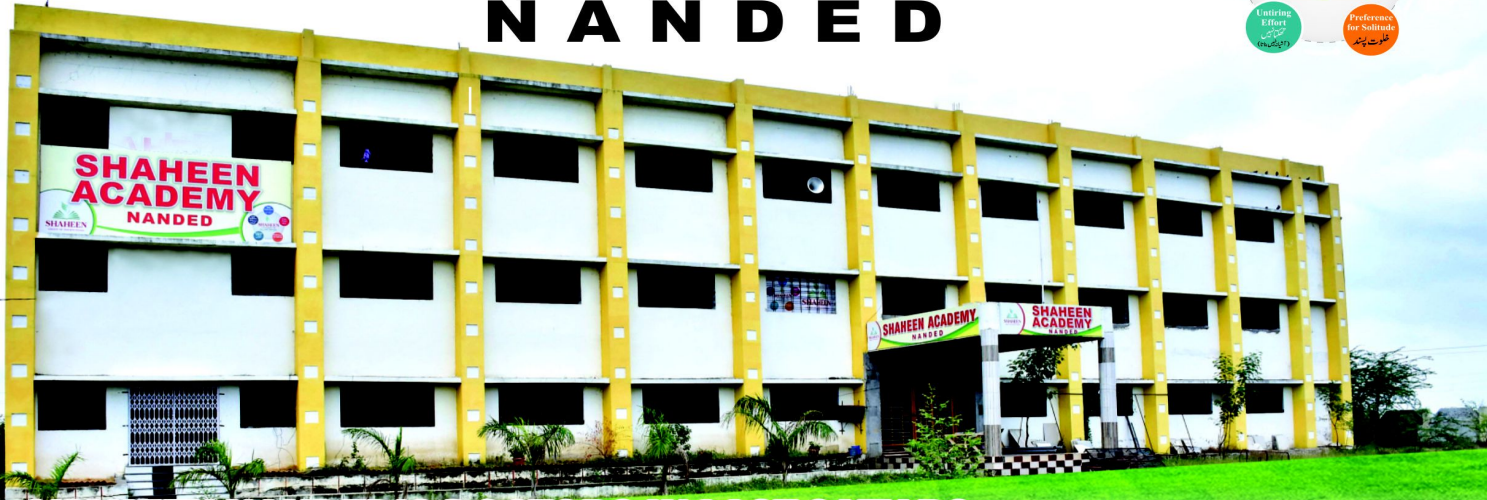
OFFICE
+91 9823826261

NUKUSH - E - RAH

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No: G/Akl Dn/258/2022-24



SHAHEEN GROUP OF INSTITUTION'S **SHAHEEN ACADEMY** N A N D E D



SHAHEEN NANDED'S DOCTORS IN LAST 3 YEARS

	MBBS	BDS	BAMS	BUMS	BHMS	Total
NEET 2020	05	03	10	03	08	29/47
NEET 2021	08	03	07	04	11	33/54
NEET 2022	04	02	16	02	07	31/63

JEE-MAINS 2022

Percentile

98.8890981

Abdul Haseeb

Abdul Khaleque

SPECIAL FEATURES

- Proven Record of Excellent Results.
 - Experienced & Expert Faculties.
 - Weekly Test as per NEET/JEE Pattern (720 /300 Marks)
 - Comprehensive Study Material & Doubt Clearing Sessions
 - Shaheen's Study & Revision Pattern
 - Foundation Studies to create Future Scientist
 - Digital Classrooms and Online Lectures.
 - Weekly & Monthly Tests to Monitor Progress of Students.
 - Academic Intensive Care Unit (AICU) for Low Performing Students.
 - Transport Facility from Home to Academy.
 - Daily SMS alert to Parents regarding In & Out Time of Students.
 - Weekly Motivational Lectures and/or Speeches on Moral Values.
- At **SHAHEEN** we are Passionate about Grooming Leaders who are not only Thorough Professionals but also Good Human Beings with Values and Morals.

Quality
Education
With Moral Values
under
one roof

Separate
Classes for
Boys & Girls
with
Hostel

SCHOLARSHIP
for
Needy &
Talented
STUDENTS

ADMISSION OPEN FOR
8th, 9th & 10th
With
Foundation studies

ADMISSION OPEN FOR
**11th, 12th &
NEET REPEATER**

CAMPUS Hassapur, Waghi Road, Near Bypass, NANDED.
7387420523 / 9890486604 / 7758862972

ZIKRA @ 7038503393

NUKUSH - E - RAH

1st Floor, Opp Basera Apartm
Subbhash Chowk, Akola, 444001

0724-2434333
nukusherah@gmail.com